S No
141 2115 D/L

فارسی ادب بعہد اورنگزیب

از

ڈاکٹر نور الحسن انصاری ایم۔اے، پی، ایچ، ڈی
استاد زبان و ادبیات فارسی
دہلی یونیورسٹی دہلی

ناشر

انڈو پرشین سوسائٹی، دہلی

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

مصنف کی دوسری کتابیں

۱۔ مآثر محمود شاہی مؤلفہ شہاب حکیم کرمانی (ترتیب و تلخیص)
۲۔ ترجمۂ انگریزی وقائع نعمت خان عالی (زیر طبع)

K UNIVERSITY LIB.
119066
119066
30.10.76

اشاعت اول
جنوری ۱۹۶۹ء

ناشر
انڈو پرشین سوسائٹی۔ دہلی

مطبع :- کوہِ نور پریس، دہلی
کاتب :- عبدالحمید غازیپوری

قیمت
سولہ روپے

فہرست

باب ۱

تاریخی پس منظر — صفحہ ۱

باب ۲

سماجی اور ثقافتی حالات — ۷

باب ۳

عہد اورنگزیب کی فارسی شاعری کا عمومی جائزہ — ۱۷

باب ۴

شعرائے معروف

	صفحہ		
۱۔ غنی کشمیری	۲۵	۱۰۔ اشرف مازندرانی	۱۲۰
۲۔ ماہر اکبرآبادی	۳۸	۱۱۔ نعمت خاں عالی	۱۲۷
۳۔ بینش کشمیری	۴۳	۱۲۔ خالص اصفہانی	۱۴۲
۴۔ نعیمت	۵۳	۱۳۔ باذل	۱۴۶
۵۔ فطرت موسوی	۶۲	۱۴۔ واضح	۱۵۳
۶۔ راسخ سرہندی	۷۲	۱۵۔ عبدالقادر بیدل	۱۸۰
۷۔ ناصر علی سرہندی	۸۰	۱۶۔ عطا ٹھٹھوی	۲۲۳
۸۔ عاقل خاں رازی	۹۴	۱۷۔ میر عبدالجلیل بلگرامی	۲۲۸
۹۔ جویا کشمیری	۱۰۸		

۱۹۔ خاشع ۳۳۶
۲۰۔ گرامی ۳۳۹
۲۱۔ جعفر زٹلی ۳۴۲
۲۲۔ شیخ عبدالاحد وحدت ۳۴۶
۲۳۔ فاضل خاں منصف ۳۴۹
۲۴۔ محمد احسن ایجاد ۳۵۱
(ج) متفرق شعرا ۳۵۵

(حصہ نثر)

باب ۶

عہد اورنگزیب کی فارسی نثر کا عمومی جائزہ ۳۶۲

باب ۷

مکاتیب و انشا

۱۔ مکاتیب اورنگزیب ۳۶۶
۲۔ خاص الانشا۔ معین الدین جامعی ۳۸۳
۳۔ انشای حدیقی ۳۸۴
۴۔ جامع القوانین (انشای خلیفہ) //
۵۔ نگارنامۂ منشی ۳۸۷
۶۔ انشای عبدالعلی تبریزی ۳۸۹
۷۔ انشای عبدالرسول ۳۹۰
۸۔(ا) رقعات خلیل //
(ب) زیب المنشآت ۳۹۳
۹۔ انشای دستورالہی۔ ضیاءاللہ بلگرامی ۳۹۵
۱۰۔ ریاض الوداد۔ ایزد بخش رسا //
۱۱۔ مفیدالانشا۔ چنپت رائے ۳۹۹
۱۲۔ خلاصۃ المکاتیب۔ سبحان رائے ۴۰۱
۱۳۔ کارنامہ واقعہ۔ چتھمل ہندو ۴۰۵
۱۴۔ انشای فیض بخش۔ شیر علی قصوری //
۱۵۔ ذخیرۂ جواہر۔ شاہنواز حسینی ۴۰۶
۱۶۔ گلدستۂ سخن۔ مل رائے شوقی //
۱۷۔ انفاس رحیمیہ۔ شاہ عبدالرحیم دہلوی ۴۱۲
۱۸۔ رقعات بیدل ۴۱۶
۱۹۔ نکات بیدل ۴۱۹
۲۰۔ چہار عنصر۔ بیدل //
۲۱۔ قصۂ حسن و دل۔ خواجہ محمد بیدل ۴۲۱

یہ بھی اتفاق ہے کہ نظم میں وامق عذرا کی داستان کئی ایک شاعروں نے لکھی ہے لیکن نثر میں یہ غالباً واحد تصنیف ہے۔

مینا بازار و پنج رقعہ دوسری دو کتابیں مینا بازار اور پنج رقعہ ہیں جن کا انتساب واضح کی طرف کیا جاتا ہے[1] اول الذکر مغلوں کے دور کے مشہور مینا بازار کے بیان پر مشتمل ہے اور آخر الذکر پانچ انشائیہ رقعات کا مجموعہ ہے۔ دونوں کتابوں کا انداز بیان انتہائی مقفیٰ اور پیچیدہ ہے۔ مینا بازار کا انتساب ظہوری ترشیزی کی طرف بھی کیا جاتا ہے لیکن دونوں کتابوں میں کوئی ایسی داخلی شہادت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر مصنف یا زمانۂ تصنیف کا تعین کیا جا سکے[2]۔

بیدل

اس دور کے سب سے بڑے شاعر ابو المعانی مرزا عبد القادر بیدل[3] پر یہاں بہت کچھ نہیں لکھا جا سکتا کیونکہ اس کتاب میں تمام شعرا اور نثر نویسوں کا جائزہ لینا ہے۔ ان کی شاعری اور فلسفہ کی تشریح و تفصیل کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں۔ البتہ یہاں اس مختصر جگہ میں خاص طور پر ان کے حالات زندگی اور تصانیف پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ مسرت کی بات ہے کہ خود بیدل نے شاعرانہ اور فلسفیانہ انداز میں چہار عنصر کے نام سے اپنی ایک

---

[1] محمد حسین آزاد: نگارستان فارس، لاہور، ۱۹۲۲، ص ۱۴۳

[2] اس سلسلہ میں استاذی ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر محمد احمد (الہ آباد یونیورسٹی) میں ایک بحث چلی تھی۔ موخر الذکر کا دعویٰ ہے کہ مینا بازار کا مصنف قطعاً ظہوری ہے مگر ڈاکٹر نذیر احمد کا کہنا ہے کہ کسی داخلی شہادت کے بغیر یہ دعویٰ بے معنی سا ہے (ملاحظہ ہو معارف، اعظم گڈھ، جولائی ۱۹۵۴)

[3] کلیات بیدل، نولکشور، ۱۸۷۵ء، ص ۲۹۶۔

سرگذشت قلمبند کی تھی جس سے ان کے حالات زندگی پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ ورنہ تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات زندگی کی جو تفصیل دی ہے وہ بڑی حد تک متضاد اور غلط ہے۔

(عبدالقادر بیدل ۱۰۵۴/۴۵-۱۶۴۴ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش کی تاریخ لفظ انتخاب اور فیض قدس سے نکلتی ہے[1]۔ بیدل نسلاً ترک تھے اور ارلاس کے چغتائی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے[2]۔ ابھی وہ مشکل سے پانچ سال کے تھے کہ ان والد مرزا عبدالخالق فوت ہو گئے[3]۔ بیدل کی والدہ بڑی خداترس عورت تھیں، انھوں نے اپنے بچے کو قرآن پڑھانا شروع کیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی انتقال کر گئیں۔ بیدل یتیم و یسیر ہو گئے[4]۔ خوش قسمتی سے ان کے ایک چچا مرزا قلندر تھے[5]۔ جو واقعی قلندر اور درویش صفت انسان تھے۔ انھوں نے بیدل کی تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لے لی۔ بیدل تعلیم کے لئے مدرسہ بھیجے گئے۔ دس سال کی عمر تک انھوں نے تعلیم پائی۔ ایک روز ان کے چچا نے مدرسہ جا کر دیکھا کہ دو طالب علم کسی مسئلہ پر بری طرح بحث کر رہے ہیں۔ مرزا قلندر نے یہ کہہ کر بیدل کو مدرسہ سے اٹھا لیا کہ جس علم کی تحصیل سے گردن کی رگ پھولتی ہے، اس کا نہ سیکھنا بہتر ہے[6]۔ اب بیدل گھر پر مطالعہ کرتے رہے۔ صوفی منشوں کی صحبت نے ان کے علم کو اور جلا بخشی اور رفتہ رفتہ ان کا شمار اپنے عہد کے عظیم ترین دانشوروں میں ہونے لگا۔ انھوں نے ریاضی اور طبیعیات میں مہارت حاصل کی۔ اور رمل، جفر اور نجوم میں بھی دستگاہ پیدا کی۔ ہندو اساطیر کا بخوبی مطالعہ کیا۔ بیدل کو مہابھارت

---

[1] سفینۂ خوشگو ص ۱۰۵۔ کلیات بیدل، کابل، ج ۲، سرطان ۱۳۴۲ شمسی ۱۳۶/۲

[2] سفینۂ خوشگو ص ۱۰۴؛ خزانہ عامرہ ۱۵۲۔ سرو آزاد ص ۱۴۸ میں برلاس ہے۔ ریو (۷۰۶/۲) میں ارلات ہے اور سفینۂ ہندی (ص ۲۸) میں ارلاش ہے۔ نشتر عشق (ص ۳۱۲) میں برلاس والوس چغتا ہے۔

[3] سفینۂ خوشگو ص ۱۰۴۔

[4] ایضاً ص ۱۰۵۔

کی پوری کہانی یاد تھی۔ انھوں نے موسیقی میں مہارت حاصل کی[1] اور ترکی اور ہندی سے واقفیت پیدا کی[2]۔

بیدل کے وطن یا مولد کے بارے میں متضاد بیانات ملتے ہیں۔ خوشگو جو بیدل کی خدمت میں برابر حاضر رہتے تھے، کہتے ہیں کہ بیدل کا وطن اکبر آباد ہے اور طاہر نصر آبادی کے اس بیان کی تغلیط کرتے ہیں کہ بیدل لاہوری ہیں[3]۔ آزاد بلگرامی نے پٹنہ کو بیدل کا مولد قرار دیا ہے[4]۔ حالانکہ انھیں خوشگو کے بیان کا علم تھا۔ دوسرے تذکروں میں بخارا[5] اور دہلی[6] کو ان کا وطن بتایا گیا ہے۔ بخارا بیدل کا نہیں بیدل کے آبا کا وطن ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ وہ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور ساری عمر ہندوستان سے باہر نہیں گئے۔ دہلی کو اس لئے وطن بتایا جاتا ہے کہ بیدل نے اپنی زندگی کا آخری حصہ یہیں گذارا۔ جہاں تک خود بیدل کا تعلق ہے انھوں نے چہار عنصر میں اپنے وطن یا مولد کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کا بچپن بہار میں گذرا۔ بیدل جب چھوٹے تھے تو اپنے چچا مرزا قلندر کے ساتھ رانی ساگر جایا کرتے تھے جو آرہ کے قریب ایک جگہ ہے۔ وہ آرہ بھی گئے[7]۔ ۱۰۶۹/۵۹-۱۶۵۸ء میں وہ اپنے ایک چچا مرزا عبداللطیف کے ساتھ ترہت میں مقیم تھے۔ مرزا عبداللطیف شجاع کی فوج میں افسر تھے۔ شجاعی فوجوں کی شکست کے بعد بیدل غالباً اپنے چچا کے ساتھ چاندچور

---

[1] سفینۂ خوشگو ص ۱۱۸۔

[2] بانکی پور ۱۹۴/۳۔

[3] سفینۂ خوشگو ۱۰۴۔

[4] ید بیضا (علی گڈھ) ص ۵۰۔ سفینۂ خوشگو (مخطوطہ بانکی پور) پر آزاد بلگرامی کا دستخط ہے۔

[5] قدرت اللہ قاسم: مجموعۂ نغز، لاہور، ۱۹۳۳، ص ۱۱۵۔

[6] ریاض العارفین، علی قلی ہدایت (معارف، اگست ۱۹۴۶ء)

[7] کلیات بیدل (نولکشور) ص ۳۱۹۔

چلے گئے جو پٹنہ کے قریب ہے[1]۔ چند ہی دنوں کے بعد ہم انھیں پٹنہ کے قریب ایک اور جگہ مہسی میں پاتے ہیں[2]۔ اس طرح بیدل پندرہ سولہ سال کی عمر تک بہار میں نظر آتے ہیں۔ اپنے ایک خط میں بھی وہ قیام بہار کا بڑے مزہ سے ذکر کرتے ہیں[3]۔ جہاں تک آگرہ کا تعلق ہے، بیدل تین بار آگرہ گئے۔ ان کا پہلا سفر آگرہ ۱۰۸۱/۷۱-۱۶۷۰ میں ہوا[4]۔ مگر خوشگو کے بیان کے علاوہ اور کوئی شہادت آگرہ سے تعلق کی نہیں ملتی۔

۱۰۷۰/۶۰-۱۶۵۹ میں بیدل اپنے چچا مرزا قلندر کے ہمراہ بہار سے بنگال کے لئے روانہ ہوئے[5]۔ اور اگلے سال وہ اپنے دوسرے چچا مرزا ظریف کے ساتھ کٹک (اڑیسہ) چلے گئے۔ اڑیسہ میں بیدل تین سال رہے اور مرزا ظریف سے تفسیر وغیرہ پڑھتے رہے۔ یہیں ان کی ملاقات شاہ قاسم سے ہوئی جو اپنے وقت کے مشہور صوفی تھے[6]۔ ان کی صحبتوں سے بیدل نے بہت کچھ تصوف اور ادب سیکھا۔ اس کے بعد بیدل شمالی ہند کی طرف روانہ ہوئے۔ ۱۰۷۵/۶۵-۱۶۶۴ میں وہ متھرا میں نظر آتے ہیں[7]۔ اور اس کے بعد آگرہ اور دہلی جاتے ہیں۔ ۱۰۸۰/۷۰-۱۶۶۹ میں انھوں نے شادی کی[8]۔ اب انھیں باقاعدہ ملازمت کی فکر دامنگیر ہوئی۔ چنانچہ آبائی پیشہ کی مناسبت سے وہ شہزادہ محمد اعظم کی

---

[1] ایضاً ص ۵۵۱-۵۵۴۔

[2] ایضاً ۵۶۲

[3] ایضاً ص ۲۱۵

[4] ایضاً ص ۵۸۱

[5] ایضاً ص ۵۶۲۔

[6] ایضاً ص ۳۴۷۔ شاہ قاسم ۱۰۸۳/۷۳-۱۶۷۲ میں فوت ہوئے۔ بیدل کو یہ خبر آگرہ میں ملی (ایضاً ص ۴۴۲)

[7] ایضاً ص ۴۲۳۔

[8] بیدل کا بیان ہے کہ انھوں نے شاہ کابلی سے دوسری ملاقات (۱۰۷۸ ہجری) کے دو سال بعد شادی کی (ایضاً ص ۴۲۹-۳۰)

فوج میں نوکر ہو گئے۔ انھیں پانچ صدی منصب اور داروغہ کوفتگر خانہ کا عہدہ ملا[۱]۔ محرم ۱۰۸۵/ اپریل ۱۶۷۴ میں جب شاہی فوج حسن ابدال گئی تو بیدل بھی ساتھ تھے اور ربیع الاول ۱۰۸۶/ مئی ۱۶۷۵ تک وہیں مقیم رہے جیسا کہ ریاض الوداد ایزد بخش رسا کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے[۲]۔ اس کے بعد شہزادہ اعظم کے ہمراہ گجرات گئے۔ اتفاق سے اس وقت اعظم کی سرکار میں راسخ سرہندی، حکیم شہرت، اسلم کشمیری اور ایجاد وغیرہ ملازم تھے۔ بیدل ان کی معیت میں رہے[۳]۔ بعض حکایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنوبی ہند میں بھی رہے ہیں۔

اس وقت تک بیدل کی ادبی حیثیت مسلم ہو چکی تھی۔ ان کی دو مثنویاں محیط اعظم اور طلسم حیرت لوگوں سے داد تحسین لے چکی تھیں۔ کہتے ہیں کہ شہزادہ اعظم نے بیدل سے مدحیہ قصیدہ کی فرمائش کی۔ انھوں نے دیکھا یہ بات چلنے والی نہیں۔ چنانچہ وہ ملازمت ترک کر کے دہلی چلے آئے[۴]۔ اعظم نے بیدل سے واپس آنے کو کہا مگر انھوں نے یہ رباعی لکھ کر بھیج دی:۔

ازشاہ خود آنچہ این گدا می خواہد   افزونی منصب رضا می خواہد
تاہمت فقر ننگ خواہش نکشد   سرخیلی لشکر دعا می خواہد[۵]

مگر اس سے قبل بیدل شہزادہ کی شان میں ایک قصیدہ لکھ چکے تھے جو کلیات میں موجود

---

[۱] سفینۂ خوشگو، ص ۱۰۸۔ گل رعنا (ورق ۵۶) کا بیان ہے کہ بیدل پہلے شاہ شجاع کی فوج میں ملازم ہوئے شجاعی فوج میں بیدل کے چچا مرزا عبداللطیف ملازم تھے۔ نیز اس وقت بیدل کی عمر صرف چودہ سال تھی۔

[۲] ایزد بخش رسا: ریاض الوداد (علی گڈھ) ورق ۲۸۔ اس خط پر ۱۰/ ربیع الاول ۱۰۸۶ ھ کی تاریخ ہے۔

[۳] سفینۂ خوشگو ص ۸۔

[۴] مرآۃ الخیال ص ۳۲۵؛ ید بیضا ص ۵۰۔

[۵] رقعات بیدل، نولکشور، ۱۸۸۵ء ص ۱۹۔

ہے اور ۲۷ شعر پر مشتمل ہے۔[1]

یہ واقعہ ۱۰۹۶/۸۵-۱۶۸۴ کے لگ بھگ ہوا جیسا کہ شکراللہ خاں کے نام بیدل کے ایک خط سے اور چہار عنصر کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ بیدل نے شکراللہ خاں سے درخواست کی کہ اگر کوئی مکان فراہم کر دیا جائے تو بقیہ زندگی وہ اطمینان سے گذار سکیں گے۔

"اگر درین سواد موضعی کنار دریا یا لب شہر بہ سہولت در اتفاق کشاید تا تکیہ ای اختیار نماید، ما بقی مدت مہلتی ... بی تشویش تغیر مکان بگذرد"[2]

شکراللہ خاں نے ان کی خواہش کے مطابق پرانے قلعہ کے پاس محلہ کھکھیڑیان میں ایک مکان خرید دیا اور دو روپیہ روزانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[3] بیدل نے اپنی زندگی کے بقیہ چھتیس سال یہیں گذارے اور ۴ صفر ۱۱۳۳/۲۴ نومبر ۱۷۲۰ کو وفات پائی۔[4،5] انھیں ان کے اپنے مکان کے صحن میں دفن کیا گیا جہاں انھوں نے دس سال سے قبر بنا رکھی تھی۔[6] ان کے مزار پر سالانہ عرس لگتا تھا جہاں دلی کے شعرا جمع ہوتے تھے اور ان کا کلیات پڑھتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس عرس کی حیثیت سالانہ ادبی اجتماع کی سی ہو گئی اور کسی شاعر کے لئے اس میں شرکت فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔[7] بیدل بڑے تنومند اور قد آور آدمی تھے۔ وہ روزانہ آٹھ سیر کھانا کھاتے تھے۔ ان کی چھڑی

---

[1] کلیات بیدل. کابل، سرطان ۱۳۴۲ شمسی ج ۲ / ص ۱۰۴

[2] رقعات بیدل، نولکشور، ص ۸۸۔

[3] سفینۂ خوشگو ص ۱۰۹۔

[4] خلاصۃ الکلام. علی ابراہیم خاں (بحوالہ معاصر، پٹنہ، جنوری ۱۹۵۲)

[5] سفینۂ خوشگو ص ۱۲۱. آزاد بلگرامی (سرو آزاد ص ۱۵۰، خزانۂ عامرہ ص ۱۵۳) نے ۳ صفر دیا ہے۔ بیدل کے ایک مجموعہ رباعیات (موقومہ ۸ ربیع الاول ۱۱۳۳ھ) میں بھی ۴ صفر درج ہے۔ (دیو ضمیمہ ص ۲۱۲)

[6] گل رعنا ورق ۵۷۔

[7] سفینۂ خوشگو ص ۱۲۱۔

ہے اور ۲۷ شعر پر مشتمل ہے۔[1]

یہ واقعہ ۱۰۹۶/ ۸۵-۱۶۸۴ کے لگ بھگ ہوا جیسا کہ شکر اللہ خاں کے نام بیدل کے ایک خط سے اور چہار عنصر کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ بیدل نے شکر اللہ خاں سے درخواست کی کہ اگر کوئی مکان فراہم کر دیا جائے تو بقیہ زندگی وہ اطمینان سے گذار سکیں گے۔

"اگر درین سواد موضعی کنار دریا یا لب شہر بہ سہولت در اتفاق کشاید با تکیہ ای اختیار نماید، ما بقی مدت مہلتی ... بی تشویش تغیر مکان بگذرد"[2]

شکر اللہ خاں نے ان کی خواہش کے مطابق پرانے قلعہ کے پاس محلہ کھکھیڑیان میں ایک مکان خرید دیا اور دو روپیہ روزانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[3] بیدل نے اپنی زندگی کے بقیہ چھتیس سال یہیں گذارے اور ۴ صفر ۱۱۳۳/ ۲۴ نومبر ۱۷۲۰ کو وفات پائی۔[4،5] انھیں ان کے اپنے مکان کے صحن میں دفن کیا گیا جہاں انھوں نے دس سال سے قبر بنا رکھی تھی۔[6] ان کے مزار پر سالانہ عرس لگتا تھا جہاں دلی کے شعرا جمع ہوتے تھے اور ان کا کلیات پڑھتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس عرس کی حیثیت سالانہ ادبی اجتماع کی سی ہو گئی اور کسی شاعر کے لئے اس میں شرکت فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔[7]

بیدل بڑے تنومند اور قدآور آدمی تھے۔ وہ روزانہ آٹھ سیر کھانا کھاتے تھے۔ ان کی چھڑی

---

[1] کلیات بیدل، کابل، سرطان ۱۳۴۲ شمسی ج ۲/ ص ۱۰۴

[2] رقعات بیدل، نولکشور، ص ۸۸۔

[3] سفینۂ خوشگو ص ۱۰۹۔

[4] خلاصۃ الکلام، علی ابراہیم خاں (بحوالہ معاصر، پٹنہ، جنوری ۱۹۵۲)

[5] سفینۂ خوشگو ص ۱۲۱۔ آزاد بلگرامی (سرو آزاد ص ۱۵۰، خزانۂ عامرہ ص ۱۵۳) نے ۳ صفر دیا ہے۔ بیدل کے ایک مجموعہ رباعیات (موقومہ ۸ ربیع الاول ۱۱۳۳ھ) میں بھی ۴ صفر درج ہے۔ (رک ضمیمہ ص ۲۱۲)

[6] گل رعنا ورق ۵۷۔ [7] سفینۂ خوشگو ص ۱۲۱۔

نقر و گوشہ گیری کے باوجود بیدل دنیا سے الگ تھلگ نہیں تھے۔ اس دور کے ممتاز امرا سے ان کے اچھے تعلقات تھے جن میں سب سے قریبی ربط شکر اللہ خاں اور ان کے تینوں لڑکوں سے تھا جس کی تفصیل مکاتیب بیدل کے ذیل میں آئے گی۔ عاقل خاں رازی سے انھیں خصوصی ربط تھا اور وہ تصوف کے سلسلہ میں بڑی حد تک رازی سے بھی فیض یافتہ تھے[1]۔ ایک قصیدہ خاندوراں کی مدح میں ہے[2]۔ نظام الملک آصف جاہ اپنے آپ کو بیدل کا شاگرد کہتے تھے۔ انھوں نے ۱۱۳۲/ ۲۰-۱۷۱۹ء میں بیدل کو دکن آنے کی دعوت دی مگر بیدل نے یہ کہہ کر انکار کر دیا :-

دنیا اگر دہند، نخیزم زجای خویش   من بستہ ام حنای قناعت بہ پای خویش[3]

اسی طرح بہادر شاہ اول نے اپنے وزیر منعم خاں کی معرفت کئی بار بیدل سے شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی لیکن بیدل برابر ٹالتے رہے[4]۔ سید برادران سے بھی ان کے تعلقات اچھے تھے۔ لیکن جب انھوں نے فرخ سیر کو قتل کیا تو بیدل نے ان کے خلاف یہ رباعی کہی :-

دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند؟   صد جور و جفا از رہ خامی کردند

تاریخ چو از خرد بجستم، فرمود   'سادات بوی نمک حرامی کردند'[5]

اس رباعی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فرخ سیر ہمیشہ بیدل پر نظر عنایت کرتا تھا اور ان کی خیریت معلوم کرتا رہتا تھا۔ ایک بار اس نے بیدل کو دو ہزار روپیہ اور ایک ہاتھی انعام دیا تھا[6]۔ بیدل

---

[1] سفینۂ خوشگو ص ۱۳۔

[2] کلیات بیدل، کابل ۲/ ۱۱۲

[3] خزانہ عامرہ ص ۵۳ - ۱۵۲۔

[4] سفینۂ خوشگو ص ۱۱۵

[5] سرو آزاد ص ۱۵۴۔ میر عظمت اللہ بیخبر نے اس رباعی کا جواب لکھا :-

با شاہ سقیم آنچہ شاید کردند   از دست حکیم آنچہ آید، کردند

بقراط خرد نسخۂ تاریخ نوشت   'سادات دوا رش آنچہ باید، کردند'

[6] سفینۂ خوشگو ص ۱۴- ۱۱۵ -

نے بڑے جوش و خروش سے اس کے جلوس پر شعر کہے تھے۔ کلیات میں اس کے سکہ اور شادی کی تاریخ بھی ہے[1]۔ محمد شاہ کے جلوس پر بھی تاریخ ہے[2]۔

شہنشاہ وقت اورنگزیب سے بظاہر بیدل کا بلا واسطہ ربط نہیں معلوم ہوتا۔ مگر وہ شاہی عنایت کے امیدوار ضرور رہے تھے۔

کلیات میں چراغان دہلی کے نام سے ایک مختصر قصیدہ ہے جو دراصل اورنگزیب کی مدح میں ہے۔ اس قصیدہ میں بیدل شاہی التفات کے لئے اس طرح التماس کرتے ہیں:-

خسروا! معنی پناہا! کو سرو برگ قبول — تا بہ عرض حال دل جویم درین درگاہ بار
صورت احوالم از طرز تخلص روشن است — بیدلیہا چیدہ ام برخود ز وضع روزگار
من سراپا احتیاج و چرخ دون پرور خسیس — من طراوت انتظار و ابر احسان شعلہ بار
گر شود ابر عنایت آبیار مزرعم — خوشہ سان از پای تا سر جملہ دل آرم بہ بار[3]

۱۰۸۱/۱۶۷۰-۷۱ میں شہزادہ کام بخش کی ولادت پر بیدل نے کئی ایک تاریخی قطعے کہے[4] اور یقیناً اورنگزیب کی خدمت میں پیش کئے ہونگے۔ اس کے بعد بیجاپور اور گولکنڈہ کی فتح پر بھی انھوں نے تاریخیں کہیں اور شمبھوجی کی گرفتاری پر بھی مبارکباد گذرانی[5]۔ اول الذکر تاریخیں شکر اللہ خاں کے توسط سے اورنگزیب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے تھے مگر بظاہر استغنا مانع تھا، اس لئے شکر اللہ خاں کو یہ خط لکھتے ہیں:-

---

[1] کلیات بیدل، کابل، ۲، ۵۶/۲-۱۵۴-
[2] ایضاً ۲/۱۷۱
[3] کلیات بیدل، کابل ۲/۱۰۶
[4] ایضاً ۲/۱۲۸
[5] ایضاً ۲/۱۳۰

"مژدۂ فتح بادشاہ . . . . دلیل فکر تاریخی گردید، متوقع مطالعۂ اقبال اثر است . . . . للہ الحمد اندیشہ دعاگوئی بہانہ جوی تقریبی است کہ بآن وسیلہ تحفۂ نفرادِ پیش گذارد . . . وگرنہ چہ نواب مستطاب بلکہ چہ عالمگیر و کدام بدر منیر! بہ طریق شوق بی پروانگارشی دارد"[1]

بہرحال اورنگزیب بیدل کی شاعری سے واقف تھا۔ اس کے خطوط میں ہمیں بیدل کے یہ دو شعر ملتے ہیں:-

من نمی گویم زیان کن یا بہ فکر سود باش — ای ز فرصت بیخبر! در ہر چہ باشی زود باش
بترس از آہ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن — اجابت از در حق بہر استقبال می آید[2]

بیدل پہلے رمزی تخلص کرتے تھے۔ مگر ایک بار انھوں نے یہ مصرع پڑھا:

بیدل از بی نشان چہ جوید باز؟

تو رمزی چھوڑ کر بیدل اختیار کر لیا۔ انھوں نے شیخ عبدالعزیز عزت سے کچھ اصلاح لی ہے[3]۔ خود بیدل کے تلامذہ کی تعداد بہت طویل ہے اور اس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

ہندوستان کے فارسی شعرا میں بیدل نے غالباً سب سے زیادہ اشعار کی تعداد چھوڑی ہے۔ خوشگو[4] کے بیان کے مطابق اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ عرفان	۱۱۰۰۰ شعر
۲۔ طلسم حیرت	۴۰۰۰ "
۳۔ طور معرفت	۳۰۰۰ "
۴۔ محیط اعظم	۲۰۰۰ "

---

[1] رقعات بیدل، نولکشور ص ۴۵
[2] سفینۂ خوشگو ص ۱۱۵
[3] ایضاً ص ۱۰۷ : ۱۰۸ ۔
[4] ایضاً ص ۲۵ ۔ ۱۲۳

۵۔ تنبیہ المہوسین	۱۰۰۰	شعر
۶۔ ایک ترجیع بند باندازِ عراقی	۱۰۰۰	"
۷۔ قصائد، ترکیب بند وغیرہ	۷۰۰۰	"
۸۔ رباعی	۸۰۰۰	"
۹۔ ہزلیات	۳۰۰۰	"
۱۰۔ چہار عنصر	۱۸۰۰۰	"
۱۱۔ غزل	۵۰،۰۰۰	"

اس طرح اشعار کی مجموعی تعداد ایک لاکھ آٹھ ہزار سے زیادہ ہوتی ہے۔ گلِ رعنا[۱] کا مؤلف قصائد اور ترکیب بند کے اشعار کی تعداد صرف ایک ہزار اور رباعی کے اشعار کی تعداد چار ہزار بتاتا ہے۔ اس کے حساب سے مجموعی تعداد اٹھانوے ہزار ہوتی ہے مگر خود اس نے ننانوے ہزار لکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ تعداد بالکل صحیح نہیں۔ نسخوں کے اختلاف سے اس میں کم و بیش کا ہونا لازمی ہے مثلاً افغانستان سے کلیاتِ بیدل کا جو سب سے جامع نسخہ چھپا ہے اس میں ترجیع بند کے اشعار کی تعداد ایک ہزار کے بجائے ۱۴۷ ہے۔ اسی طرح رباعیات کے ذیل میں ۲۹۴۹ رباعیاں درج ہیں جن کے اشعار کی تعداد ۵۸۹۸ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف عنوانوں کے تحت اور بھی رباعیاں درج ہیں۔ یہی حال محیطِ اعظم اور طورِ معرفت کا ہے۔ اول الذکر میں تقریباً چھ ہزار اور مؤخر الذکر میں تیرہ سو اشعار ہیں۔

بیدل کی نثری تصانیف میں ان کی سوانح عمری چہار عنصر، نکاتِ بیدل اور بہت سارے رقعات ہیں، جن کا ذکر آگے آئے گا۔ انھوں نے دو جلدوں میں ایک بیاض بھی مرتب کی تھی جس میں خاقانی سے لے کر اپنے عہد تک کے مشہور شعرا کا منتخب کلام، طویل مثنویاں اور ہم عصروں کے

---

[۱] گلِ رعنا ورق ۵۷۔

خطوط ہیں۔ ایک بیوقوف برہمن کی کہانی لکھی ہے۔ جسے اس کی چالاک بیوی نے دھوکا دیا تھا۔ عبدالاحد وحدت کے چند لطائف ہیں اور ملا علی رضا تجلی کی عشقیہ مثنوی معراج الخیال کا انتخاب ہے۔ اس کے علاوہ بیاض میں افیون اور تمباکو کا مکالمہ، صوفیوں کی کہانیاں اور عرفی کے ایک ترجیع بند گلشن راز کا انتخاب شامل ہے[1]۔

کلیات کلیات بیدل غزل، قصائد، رباعیات اور قطعات کا ایک ضخیم مجموعہ ہے۔ بیدل کی شاعری کا اصل کمال ان کی غزل، رباعی اور مثنوی میں ہے۔ انھوں نے اگرچہ نعت اور حضرت علی کی منقبت میں لمبے لمبے قصیدے کہے ہیں، مگر ان سے ان کے ادبی مرتبہ میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا۔ ان قصائد سے بیدل کی عقیدت ضرور ٹپکتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان قصائد میں انھوں نے خاقانی کے تتبع کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ان کے دو طویل ترکیب بند اور ترجیع بند بھی ہیں۔ جو ان کی قدرت کلام کے شاہد ہیں۔ ترکیب بند میں ردیف وار ۳۱ بند ہیں اور تقریباً ساڑھے چھ سو شعر ہیں۔ ترجیع بند میں ۳۴ بند ہیں اور ۱۷۱۴ شعر ہیں۔

بیدل نے متفرقات کا ضخیم مجموعہ چھوڑا ہے۔ ان میں اخلاقی قصائد، مخمسات، خیر مقدم کے اشعار، موضوعاتی نظمیں، مرثیے، تاریخی قطعے اور ہجویات شامل ہیں۔ ان سے بیدل کے خیالات عقائد، تعلقات اور تاثرات پر روشنی پڑتی ہے اور ان کی شخصیت اور شاعری کے تجزیہ میں مدد ملتی ہے۔ مثلاً بعض قطعات میوات سے متعلق ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ بیدل کے مربی شکر اللہ خاں میوات میں مامور تھے۔ بیدل خود بھی ان کے ساتھ وہاں گئے تھے اور ان کی مثنوی طور معرفت کا پس منظر وہی علاقہ ہے۔ میوات کی صبح کے بارے میں کہتے ہیں:۔

صبح کشور میوات، یاسمین بہاراست این — بوی نازمی آید، جلوہ گاہ یاراست این[2]

یاسمین

---

[1] ریو ۲/۷۳۷۔

[2] کلیات بیدل، کابل، ۲/ ۱۴۵۔

میوات کے کسی بجی رام نے بہت سرکشی مچا رکھی تھی۔ اس کے سات لڑکے تھے اور سب کی جمعیت مغل حکومت کو خاصا پریشان کرتی تھی۔ شکراللہ خاں نے جب ان پر فتح پائی تو بیدل نے دو تاریخیں کہیں۔ پہلی تاریخ سے ۱۰۹۷/۸۶-۱۶۸۵ اور دوسری یعنی "غزو عجیب" سے ۱۰۹۸/۸۷-۱۶۸۶ کے سن برآمد ہوتے ہیں[۱]۔ پہلی تاریخ یہاں درج کی جاتی ہے:۔

سرخیل زوکہ با بجی رام | از باد بروت پشم در دست
با ہفت پسر کہ ہر کدامش | چون کوه سری بہ تیغ می بست
عمری در کوہسار میوات | می تافت چو خرس از خری مست
بالشکر خان آسمان جاه | گردید طرف زنظرت بیست
در تاریخش مہندس فکر | فرمود "دل زوکہ بشکست"[۲]

۱۰۹۷ ھ

اسی طرح ایک اور قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نصرت جنگ (ذوالفقار خاں) نے ۱۱۱۵/۰۳-۱۷ میں میواتیوں کا قلعہ سنگار فتح کیا تھا۔

بزار شکر کہ امروز خان نصرت جنگ | شکست قلعہ سنگار بر سر میوان
رساند از دو ترنم بہ پردۂ تاریخ | "فتوح عید طرب گوش"[۳] "ہدیہ رمضان"

۱۱۱۵ ھ   ۱۱۱۵ ھ

ذوالفقار خاں نے بیدل کو سیب اور انار بھیجے تھے۔ اس کے تشکر پر ایک نظم ہے۔ ایک قطعہ بیدل کے ایک دوست پریم داس کے یہاں لڑکے کی پیدائش پر ہے جس سے ۱۱۲۷/۱۵-۱۷۱۴ کے اعداد نکلتے ہیں[۴]۔ ایک دلچسپ نظم خیمۂ بیدل کے عنوان سے ہے۔ بیدل کا بسیرا بھی ببر کے گھر سے کچھ کم نہ تھا۔ کہتے ہیں:۔

بہ غیر از نام گردی نیست در بنیاد موہومش | طلسم بی نشانی از پر عنقا اثر دارد

---

[۱] ایضاً ۲/۱۳۳   [۲] ایضاً ۲/۱۴۵۔
[۳] ایضاً ۲/۱۵۵   [۴] ایضاً ۲/۱۱۶، ۴۳۴

چو اہل قبر باید بی نفس درزیر او بودن
که از باد دم ہستی حباب آسا خطر دارد[1]

کیمیاگروں کے خلاف ایک مختصر مثنوی ہے جس میں دو سو سے کچھ زیادہ شعر ہیں۔ خوشگو نے اس کا عنوان تنبیہہ المہوسین لکھا ہے۔ کیمیاگری ہمیشہ سے مسلم معاشرہ کا ناسور رہی ہے۔ اس کے چکر میں نہ جانے کتنے خاندان برباد ہوئے اور لوگوں نے کیا کیا عجیب حرکتیں کیں۔ بیدل نے ایک مصری کیمیاگر کے حرص و ہوس کی ایک مختصر کہانی بھی پیش کی ہے۔ اس نظم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کیمیاگر سونا بنانے کے چکر میں کیا کیا چیزیں استعمال کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں :-

دود کبریت تو جز پرواز نیست
نغمہ بال افشاندہ است و ساز نیست

ہیچ تیزابی چو اشک گرم نیست
لیک در چشم تو آب شرم نیست

از معاجین پای در گل ماندہ ای
کز گداز عمر غافل ماندہ ای

ہمچو خر دارو بہ چندین پیچ و تاب
فکر سیماب غلیظت در خلاب

دل مکن در سودن احجار ریش
دست بر ہم سودنی داری ز پیش

نورہ و زرنیخ مالیدی بہم
یک سر مو ہم نشد حرص تو کم

ملح و قلیا کام ہوشت شور کرد
شورہ آخر چشم عقلت کور کرد

می کنی نوشادر اندر رودہ حل
غافلی لیکن ز تکرار عمل

توتیا آورد در چشمت غبار
گرد شنگرفت سیاہی آشکار[2]

اس کے بعد بیدل بڑے خلوص سے یہ سمجھاتے ہیں :-

در نہ اصل کیمیا رنگ است و بس
سیم و زر فہمیدنت ننگ است و بس

در لغت حیلہ است نام کیمیا
می برد این لفظ مجہولت کجا؟

ہیچ کس مضمون این نامت نگفت
کز مزاجت حرص سیم و زر شگفت[3]

---

[1] ایضاً ۲/۱۰۸-۱۰۷۔
[2] ایضاً ۲/۲۲۴-۲۲۲۔
[3] ایضاً

ایسی موضوعاتی نظموں میں ایک فرسنامہ ہے اور دوسری فیل پر ہے مگر ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔

غزل بیدل دراصل غزل کے شہنشاہ تھے۔ ان کی غزلیں کیف و کم دونوں حیثیت سے خسرو سے قریب تر ہیں لیکن خسرو اول اور آخر صوفی اور عاشق ہیں اور بیدل کے یہاں تصوف اور عشق کی چاشنی کے ساتھ ساتھ فلسفہ کی گہری چھاپ بھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بیدل نے بہترین عشقیہ شعر کہے ہیں اور بعض شعروں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ بھی عشق کی آگ میں تپے تھے:۔

یاد آن عیشی کہ عیش جاودانی داشتیم — سجدہ ای چون آسمان بر آستانی داشتیم
برہمن ای بیخبر! از کیش بیدردی مباش — پیش ازین ما ہم بت نامہربانی داشتیم[1]

لیکن بیدل کی عشقیہ شاعری میں مکمل سپردگی اور بیخودی کی کمی ہے۔ خالص جذباتیت ان کے فکر و فلسفہ سے لگا نہیں کھاتی۔ ان کے یہاں ایک دھڑکتا ہوا دل ضرور ہے مگر ان کے پاسبان عقل کی نظر تیز بھی ہے اور دور رس بھی۔

بیدل نے شاعری کا ایک الگ دبستان قائم کیا۔ یہ دبستان صرف ان کی ذات سے عبارت ہے۔ اس کی روایتیں سبک ہندی کی شکل میں پہلے سے موجود تھیں۔ دبستان بیدل درحقیقت سبک ہندی کی معراج ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دبستان کی روح نغمہ و آہنگ اور فلسفہ و فکر ہے۔ اس کی روایتیں دور دور تک پھیلیں۔ بیدل کے بعد کی نسل دبستان بیدل کی خوشہ چیں ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہندوستان کے آخری دو عظیم شاعر یعنی غالب اور اقبال بیدل سے بیحد متاثر ہیں۔

یہاں بیدل کے فلسفہ پر بحث کی گنجائش نہیں صرف ان کی غزل کے چند انفرادی خصائص

---

[1] کلیات بیدل، نولکشور، ص ۲۸۱۔

کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ جو بڑی حد تک ان کی مثنوی اور رباعی پر بھی صادق آتے ہیں۔

بیدل نے اپنی شخصیت اور شاعری دونوں کے اردگرد تکلف، وقار، متانت اور جلال کا ایک ہالہ کھینچ رکھا تھا۔ ان کی زبان اور خیال، استعارے کنائے، تشبیہ و تمثیل، ترکیب و بندش سب تکلف اور وقار کی چادر میں لپٹے ہوئے ہیں۔ انھیں پیچیدگی اور ابہام پسند ہے۔ صنائع بدائع کی آرائش انھیں اچھی لگتی ہے۔ دراصل بیدل کا فن طویل اور انتھک ریاض اور دماغی کاوش کا نتیجہ ہے۔ ان کی شاعری پر اس ریاض کی اتنی گہری چھاپ ہے کہ پڑھنے والا مرعوب بھی ہوتا ہے اور متاثر بھی اور اس کی نظر کسی ہلکی بندش یا بے ربط خیال کی طرف نہیں جاتی۔

بیدل نے غزلیات کا جو عظیم سرمایہ چھوڑا ہے۔ اس کا مقابلہ کوئی فارسی غزل گو نہیں کر سکتا۔ اوپر ذکر کیا گیا کہ ان کی غزلوں کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار سے زائد ہے۔ کابل والے کلیات میں ۲۸۳۶ غزلیں ہیں۔ یہ سارا سرمایہ ایک خاص انداز اور طرز کا حامل ہے حالانکہ بیدل کی شاعری کی عمر کم و بیش ساٹھ سال ہے۔ ان کی غزلیں عموماً فلسفہ سے بوجھل اور تغزل سے معمور ہیں۔ نئی، مبہم اور پیچیدہ ترکیبوں کی وجہ سے ان میں اشکال بھی ہے اور بعض بعض جگہ ہمیں اس نزاکت اور لطافت کی کمی کا بھی احساس ہوتا ہے جو غزل کا لازمہ ہے۔ ان غزلوں کا موضوع وسیع اور رنگا رنگ ہے اور ان کی تہہ تک پہونچنے کے لئے ریاض اور بصیرت درکار ہے۔

بیدل نے فارسی غزل کو نئی ترکیبوں، تشبیہوں، استعاروں اور کنایوں کا ایک اہم خزانہ عطا کیا۔ ان کی قوت اختراع نے اظہار و ابلاغ کے لئے الفاظ کی بندش میں ایسی ایسی مینا کاری کی ہے کہ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے تو بذات خود ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ لیکن غالب کی طرح بیدل کے یہاں بھی مختصر بحروں کی غزلیں ہلکی پھلکی، سبک اور رواں ہیں۔ غالباً یہ ان کی فنکارانہ صناعی کے ہلکے لمحات کی آئینہ دار ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:-

یاس من امتحان نمی خواهد — بیدلم، عبرت خدا دادم
نیستی هم به داد من نرسید — مرگ مرد آن زمان که من زادم[1]

---

[1] کلیات بیدل، نولکشور، ص ۲۸۲۔

بیدل نے غزل کی بحروں میں بھی جدت کی۔ انھوں نے ایسی بحروں میں غزلیں کہیں جو غیر معروف یا متروک تھیں۔ مثلاً کامل، متدارک، مطوی وغیرہ۔ خوشگو کا بیان ہے کہ بیدل نے بیسویں بحر ایجاد کی جو اب تک فارسی شاعری میں مستعمل نہیں تھی۔ مثلاً

می و نغمہ مسلم حوصلہ ای کہ قدح کش گردش سر نبود
بحل است سبک سری آن قدرت کہ دماغ جنون زدہ تر نشود[1]

یہاں بیدل کی ایک غزل بطور تبرک پیش کی جاتی ہے۔ یہ وہی مشہور بحر ہے جس کا یہ مطلع زبان زد ہے۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن در آ
تو ز غنچہ کم ندمیدہ ای، در دل گشا، بہ چمن در آ

گہر محیط تقدسی مکن آبروی حیا سبک　　　چو حباب حیفت اگر شوی ز غرور سر بہ ہوا سبک
نسزد ز مسند سیم و زر بہ وقار غرہ نشستنت　　　کہ زمانہ می کشد آخرش چو گلیمت از تہ پا سبک
ز ترنم نی و ارغنون بہ دل گرفتہ مخوان فسون　　　کہ ز سنگ دامن بیستون نکند کسی بہ صدا سبک
ہمہ گر بہ نالہ علم کشی و گر اشک گردی و نم کشی　　　بتر از وی کہ ستم کشی نشود بغیر جزا سبک
بہ علاج ننگ فسردگی نفسی ز تنگی دل برآ　　　کہ چو سنگ رنج گرانیت نشود مگر بہ جلا سبک
کند احتیاجت اگر ہدف، مگشای لب مفراز کف　　　کہ وقار گوہر این صدف نکنی بہ دست دعا سبک
غم بی ثباتی کاروان ہمہ کرد بر دل ما گران　　　بہ کجاست جنسی ازین دکان کہ شود بہ بانگ درا سبک
مخر دش خواجہ بہ کبر و فر کہ ندارد این ہمہ آن قدر　　　دو سہ گام آخر ازین گذر تو گران قدم زن و پا سبک
اگرت بہ منظر بی نشان دم ہمتی کشد ت عنان　　　چو سحر بہ جنبش یک نفس ز ہزار ریشہ برآ سبک
ز گرانی سر آرزو شدہ خلق غرقۂ ہای ہو　　　تو اگر تہی کنی این کدو، شود اتفاق شنا سبک

نکشید بیدل ازین چمن عرق خجالت برزدن
چو غبار بی نم ہرزہ فن نشود چرا ہمہ جا سبک[2]

---

[1] سفینۂ خوشگو ص ۱۲۵ ۔
[2] کلیات بیدل. کابل، ۱۳۴۱ شمسی ۱/ ۸۰۴ ۔

رباعی بیدل فارسی کے صف اول کے رباعی گو شعرا میں ہیں۔ رباعی میں بھی ان کی تخلیق کی مقدار دوسرے سبھی رباعی گو شعرا سے کہیں زیادہ ہے۔ ان کی تعداد کے متعلق اوپر ذکر آچکا ہے۔ مگر اس کے علاوہ رقعات اور نکات وغیرہ میں بھی بہت سی رباعیاں ہیں جو اس کے علاوہ ہیں۔ بیدل نے ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳-۰۴ میں رباعیات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا[1]۔ اور ظاہر ہے اس پر مزید اضافہ ہوتا رہا۔

بیدل کو سمجھنے کے لئے ان کی رباعیوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ درحقیقت ان کی غزل اور رباعی موضوع اور مضمون کے لحاظ سے مماثل اور ایک دوسرے کے سمجھنے میں معاون ہیں۔ ان میں فلسفۂ حیات و کائنات بھی ہے، سیدھی سادی نصیحتیں بھی اور ہلکی پھلکی ہجو و تعریض بھی۔ مگر بیدل کی بہترین رباعیاں وہی ہیں جو ان کے مخصوص فلسفہ یا انداز فکر کی ترجمانی کرتی ہیں۔ مثلاً یہ رباعیاں ملاحظہ کیجئے:۔

نہ شعلہ در آستین، نہ گل در طبقیم — سامان بضاعت خجالت در قیم
عریست کہ انفعال محمل کش ماست — چون شمع غبار کاروان عرقیم[2]

فارغ فارغ ز فکر مہر و مہ باش — در خلوت دل بزم چراغ شہ باش
ای آئینہ پرداز جمال لاہوت — از حیرت خویش اندکی آگہ باش[3]

ان رباعیوں میں غیر شعوری طور پر خیام کا طرز جھلکتا ہے

فریاد کہ ما را بہ حقیقت رہ نیست — سر رشتہ نومیدی ما کوتہ نیست
مردیم و ز فہم خود نبردیم اثر — از ما غیر خدا کسی آگہ نیست

---

[1] بانکی پور ۳/۲۰۲۔

[2] کلیات بیدل، کابل ۲/۳۱۳

[3] ایضاً ۲/۲۵۱۔

تا چند فریب جنگ دنی باید خورد ؟ با عشوۂ نوبہار ددی باید خورد
قامت خم گشت ، فرصت عیش کجا است؟ کج شد قدح ، اکنون غم می باید خورد[1]

بیدل کے ہم عصران کی رباعی کے شیدائی اور مداح تھے۔ شاہ گلشن کہا کرتے تھے کہ "رباعی گویی حق او ست"[2]۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نہ صرف عہد اورنگزیب بلکہ ہندوستان کے فارسی ادب کی تاریخ میں بیدل کا نام رباعی گویوں میں سر فہرست ہے۔ رودکی نے مکالمہ کے انداز میں ایک دلچسپ رباعی کہی تھی، بیدل نے بھی اسی انداز میں ایک رباعی کہی ہے۔ دونوں کا موضوع جدا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ رودکی کی رباعی بیدل پر فوقیت رکھتی ہے مگر اس ایک مثال سے بیدل کی غیر معمولی قدرت فن کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل میں دونوں رباعیاں درج کی جاتی ہیں :-

رودکی :-

آمد بر من، کہ؟ یار، کی؟ وقت سحر ترسید، زکہ؟ زخصم، خصمش کہ؟ پدر
دادمش، چہ؟ بوسہ، بر کجا؟ بر لب، د بر لب بد؟ نہ، چہ بد؟ عقیق، چون بد؟ چو شکر

بیدل :-

دی خفت، کہ؟ ناقہ، در کجا خفت؟ بہ گل کردم، چہ؟ فغان، از چہ؟ زیاد منزل
داد از کہ؟ زخود، چرا؟ زسعی باطل کافتاد، چہ؟ بار، از کہ؟ ز سر، بر کہ؟ بہ دل[3]

محیط اعظم | بیدل نے چار طویل مثنویاں لکھیں۔ محیط اعظم، طلسم حیرت، طور معرفت اور عرفان۔ ان میں پہلی مثنوی محیط اعظم ۱۰۷۸/۶۸-۱۶۶۷ کی تصنیف ہے جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے :-

این نسخہ کہ از خامۂ الہام رقم گردید مسمی بہ "محیط اعظم"

---

[1] ایضاً ۲/۱۰۰، ۱۶۸۱
[2] سفینۂ خوشگو ص ۱۲۵۔
[3] کلیات بیدل، کابل ۲/۲۳۴۔

دریافت دبیر خرد از روی حساب ‌ ‌ ‌ سال تاریخ ہم بہ نامش مدغم[۱]

یعنی محیط اعظم کے اعداد ۱۰۷۸ سے تاریخ تصنیف برآمد ہوتی ہے۔

محیط اعظم کے شروع میں بیدل کا ایک نثری مقدمہ بھی ہے۔ کسی اور مثنوی میں ایسا مقدمہ نہیں۔ اس مقدمہ میں بیدل نے محیط اعظم کے موضوع اور دوسری مشہور مثنویوں کے مقابلہ میں اس کے مرتبہ پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں :-

"این میخانہ ظہور حقائق است، نہ ساقی نامۂ اشعار ظہوری، آئینہ پرداز کیفیت دقائق است، نہ زنگار فرdش خمار بی شعوری ..... ہلالی در اندیشۂ این سپہر کمال چون ماہ نو باریک است و زلالی در تماشای این محیط اعظم بہ آب حسرت نزدیک، ..... اینجا نوعی گویا از خموشان، از خموشان و مینای قلقل نوا از پنبہ بگوشان است نہ از معنی نیوشان"[۲]

بیدل مزید یہ تاکید کرتے ہیں کہ محیط اعظم کا ادراک ہر کس و ناکس کے بس کا نہیں ہے کیونکہ اس کا موضوع عرفان و تصوف ہے :-

"لاجرم ہر بی مغز را کیفیت مطالعہ اش نشہ تر دماغی نرساند و ہر تنگ ظرف را پیمانۂ ورق گردانیش جرعۂ ادراک نچشاند ..... سالک تا طی مراتب عرفان ننماید از جادۂ استفہام آن دور است و طالب تا بسر منزل کمال نرسد، از اصول ادراک آن معذور"[۳]

---

۱ محیط اعظم و مشمولہ کلیات بیدل، کابل ج ۳، دلو، ۱۳۴۲ شمسی ص ۵۔ بعض نسخوں میں سال تاریخ از بنا بش مدغم ہے اور مدغم کے اعداد ۱۰۸۴ ہوتے ہیں۔

۲ ایضاً ص ۴-۳۔

۳ ایضاً

Zaheer Ahmed Dar
R/P/c Deyuspa
13.6.89

محیط اعظم آٹھ دور میں منقسم ہے۔

١۔ جوش اظہار خمستان وجود۔

٢۔ جام تقسیم حریفان شہود

٣۔ موج انوار گہر ہای ظہور

٤۔ شور سرجوش شراب بیقصور

٥۔ رنگ اسرار گلستان کمال

٦۔ بزم نیرنگ اثرہای خیال

٧۔ حل اشکال خم وپیچ زبان

٨۔ ختم طومار رنگ دیوی زبان

Zahoor Ahmad Dar M.A. III Roll No 623/88
S/o Gh. Nabi Dar R/o P/O Dogripora via Pulwama
Teh. Distt Pulwama

محیط اعظم کے پہلے دور میں شاعر نے اس وقت کی منظر کشی ہے جب خدا کے سوا کچھ نہ تھا پھر خدا کے دل میں تخلیق کی خواہش نے کروٹ لی اور کائنات ایک لفظ کن سے وجود میں آگئی۔

یہ حصہ محیط اعظم کا بہترین جزو ہے۔ یہاں بیدل کی قوت متخیلہ اور قوت متفکرہ نے ایجاد وابداع کی ایسی فضا قائم کی ہے کہ واقعی تھوڑی دیر کے لئے یہ تصور ہوتا ہے کہ ہم اسی دور قبل تخلیق میں سانس لے رہے ہیں۔

خوش آندم کہ در بزمگاہ قدم — میی بود بی نشئہ کیف وکم

منزہ ز اندیشۂ حادثات — مبرا ز دود و غبار صفات

نہ صہباش نام و نہ رنگش نشان — لطیف و لطیف و نہان و نہان

نہ شور نفس نقل بزم شہود — نہ برق نگہ شمع عرض نمود

فرو رفتہ در نشئہ زار احد — ابد در ازل چون ازل در ابد

بہ معنی ہمہ بود و چیزی نبود — بہ ہر رنگ رنگ تمیزی نبود[1]

---

[1] ایضاً ص ٦٠٧

اب خدا کے دل میں تخلیق کی خواہش نے انگڑائی لی اور اس نے فرشتوں سے اپنے حسن کے خزینہ کو ظاہر کرنے کا اعلان کیا :-

کہ آمد خم واحدیت بہ جوش	بہ مستان صلا زد بہ گلبانگ نوش
چہ گلبانگ؟ یعنی ہمین من منم	کز آواز برخود نقاب افگنم
بہ ذوق تماشا جہان گشتہ ام	نہان کیست؟ اکنوں عیان گشتہ ام[1]

چنانچہ کائنات وجود میں آئی :-

بطون رنگ گرداند و اظہار شد	خیالی پرافشاند، گلزار شد
مرتب شد از لای خم وجود	بہ بزم تجلی ظروف شہود
خروشی ز اجرام و اجسام زاد	بم و زیری از پردہ بیرون فتاد
نبات از زمین سرزد و تاک کاشت	جماد آمد و در بغل شیشہ داشت[2]

دوسرا در یعنی جام تقسیم حریفان شہود کے عنوان سے شاعر نے دنیا میں مختلف پیغمبروں کی بعثت پر بحث کی ہے۔ یہ سلسلہ آدم سے شروع ہوتا ہے اور حضرت ادریس، نوح، یونس، ابراہیم، یعقوب، یوسف، داؤد، سلیمان، ایوب، موسیٰ اور عیسیٰ سے ہوتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ بیدل نے تقریباً محیط اعظم کے علاوہ دوسری مثنویوں میں بھی بارگاہ رسالت میں عقیدت کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ وہ درحقیقت شمع محمدی کے پروانہ اور عشق رسول میں دیوانہ تھے۔ یہاں کہتے ہیں :-

درین دور چون نوبت آن نبید	بہ آن صاحب بزم وحدت رسید
نبوت شراب خمستان قدس	ہدایت نسیم گلستان قدس
ز لفظ محمد گر آگہ شوی	ادا فہم الحمد للہ شوی

---

[1] ایضاً ص ۸۔ [2] ایضاً ص ۹

به هر نشه مرآت حسن کمال — جلالش جلال و جمالش جمال
ز شوق نثارش به ملک وجود — عدم کیسهٔ نقد هستی گشود
ازل تا ابد عرض اظهار او — جهان باده و نشه دیدار او[1]

انسان نے اس روے زمین پر آنے کے بعد اپنی فہم و فراست کے مطابق حقیقت کی تلاش شروع کی، کسی نے مظاہر کو پوجنا شروع کیا۔ کسی نے نادیدہ طاقت کو خدا مانا۔ کسی نے کہا انسان اور خدا ایک ہیں اور کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں خدا ہوں۔ غرضکہ عقائد و افکار کی افراتفری وجود آدم سے شروع ہوئی اور آج تک باقی ہے۔ اسی افراتفری کو ختم کرنے اور اعتدال کی راہ دکھانے کے لئے خدا نے پیغمبروں کو مبعوث کیا۔

اس سلسلہ میں بیدل منصور اور فرعون کی مثال دیتے ہیں کہ حقیقت کی تلاش و تعیین میں دونوں افراط و تفریط کا شکار ہو گئے:۔

به منصور از آن بادهٔ بی مثال — چو یک قطره افزود از اعتدال
بیاورد از موج شوخی زبان — ز طرفش برآمد انا الحق زنان
چو فرعون جام رعونت کشید — به موسیٰ طرف گشت و آفت کشید
بجوشید درد از می ناب او — گل جلوه شد پردهٔ خواب او[2]

لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتدال کا راستہ دکھایا اور آپ نے جو شراب معرفت عطا کی اس میں نہ شراب منصوری کی بے اعتدالی تھی اور نہ شراب فرعونی کی تلچھٹ۔ بیدل اسی شراب معرفت کے متلاشی ہیں۔ ایک جگہ عرفی کے انداز میں بہت ساری قسمیں کھانے کے بعد کہتے ہیں:۔

که بی بادهٔ عمری جگر خورده ام — کجا عمر؟ تیغی به سر خورده ام[3]

---

[1] ایضاً ص ۲۹۔۲۶
[2] ایضاً ص ۴۴۔۴۱
[3] ایضاً ص ۱۱۲۔

محیط اعظم میں دلچسپ حکایتوں کے ذریعہ بیدل نے اپنے خیالات وافکار کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً لیلیٰ مجنوں کی فرسودہ حکایت میں یہ نکتہ پیش کرتے ہیں:۔

گذر کرد مجنون لیلی خیال | برآبی کہ شوید غبار ملال
عیان گشت لیلی بہ چشم ترش | چو گرداب در گردش آمد سرش
مژہ تا بر افشاند، از خویش رفت | بہ رنگی کہ نتوان از و پیش رفت

مجنون ہوش میں آنے کے بعد کہتا ہے کہ محبت کی آگ مجھے پانی میں بھی چین نہیں لینے دیتی

چسان آتش از آب بنشیندم | کہ لیلی در آن پردہ می بیندم
ندانم محبت چہ برق افگن است | کہ در آب ہم لیلی آتش زن است[1]

ایک اور حکایت میں کہتے ہیں ایک پروانہ ویرانہ میں ایک شمع مزار پر جل رہا تھا اور اپنی جان فدا کر رہا تھا۔ اس سے ایک طاؤس نے کہا جلنا ہے تو محفل میں آکر جل، شمع انجمن صحرا کے خورشید سے بہتر ہے۔ پروانہ بولا میرا کام جلنا ہے۔ مجھے کیا پتہ انجمن کون سی ہے اور ویرانہ کیا ہے۔

کہ پروانہ را کار با جمع نیست | مرادش جز اندیشۂ شمع نیست
محال است بی طاقت سوختن | کند فرق ویرانہ از انجمن
چو پروانہ ام زین بساط سبب | غرض روی شمع است باقی تعب[2]

ایک طویل حکایت ایک ہندوستانی بادشاہ اور اسپ چوبیں کی ہے۔ اس حکایت کا سرچشمہ بظاہر ہندوستان کی نیم مذہبی کہانیاں ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ بیدل مہابھارت سے واقف تھے۔ ان کی دوسری مثنویوں میں بھی اس طرح کی ہندوستانی کہانیاں ملتی ہیں۔ حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں ایک بادشاہ تھا جو علم و معرفت کا متلاشی اور رعایا پر بہت مہربان تھا۔ ایک بار اس نے یہ اعلان کیا کہ اہل ہنر میرے دربار میں آئیں اور اپنا اپنا ہنر پیش کر کے انعام و اکرام

---

[1] ایضاً ص ۶۵ - [2] ایضاً ص ۹۱

حاصل کریں۔ چنانچہ ایک بازیگر بھی دربار میں پہونچا۔ وہ لکڑی کا ایک گھوڑا لے کر آیا تھا۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ جو اس گھوڑے پر سوار ہوگا، ساتوں آسمان کی سیر کرے گا۔ بادشاہ اشتیاق میں اس پر سوار ہو گیا اور گھوڑا اسے لے کر اڑ گیا:۔

به اوج فلک گشت جولان نما　　　چو شبنم بر آمد بر اوج ہوا[1]

گھوڑا بادشاہ کو لے کر کئی دن اڑتا رہا۔ یہاں تک کہ سوار کی طاقت نے جواب دیدیا اور وہ ایک لق و دق صحرا میں گر پڑا۔ بادشاہ وہاں بیہوشی کے عالم میں تین دن تین رات پڑا رہا، جب ہوش آیا تو بھوک سے جان نکلی جا رہی تھی، اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت لڑکی روٹی لئے ہوئے جا رہی ہے:۔

پس از رفع موج حجاب غبار　　　پری دختی از پردہ شد آشکار
خرامی چو سیلاب غارت فروش　　　نگہ وحشی دام الفت به دوش
چو نا دیدگان بهر آب و طعام　　　خروش از نفس برکشت جای سلام[2]

وہ لڑکی درحقیقت مہترانی تھی۔ اس نے فریادی سے کہا ہم اچھوت ہیں اور دنیا کے ڈر سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ ہمارا کھانا تم نہیں کھا سکتے:۔

ز خجلت به صحرا وطن کرده ایم　　　به خود دوزخی را چمن کرده ایم
همه خانه بر دوش و نان در بغل　　　ز جمعیت دل جهان در بغل
غذاهای ما هم به ما شد حلال　　　به قوم دگر نیست غیر از وبال[3]

لڑکی بولی "ہاں اگر تم مجھ سے شادی کا وعدہ کرو تو میں تمھیں کھانا کھلا سکتی ہوں۔ بادشاہ نے فوراً وعدہ کر لیا۔ لڑکی نے اسے کھانا کھلایا اور اس کے بعد اسے لے کر مہتروں میں آئی۔

---

[1] ایضاً ص ۱۴۹ ۔　　　[2] ایضاً ص ۱۵۱ ۔

[3] ایضاً ص ۱۵۲ ۔

اور وہاں کے دستور کے مطابق دونوں کی شادی ہو گئی۔

بادشاہ دس سال مہتروں میں رہا۔ ہر سال اس کے یہاں ایک اولاد ہوتی رہی اور اس کے تعلقات کے بندھن بڑھتے گئے۔ اتفاقاً اس علاقہ میں بہت سخت قحط پڑا۔ تمام مہتر ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ بادشاہ بھی اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل پڑا۔

زبیم ہلاکت ہمہ مرد و زن — نمودند تدبیر ترک وطن
ازآن جملہ این بادشاہ غریب — دگر بارہ شد از وطن بی نصیب[1]

ایک ہفتہ تک وہ چلتا رہا۔ لیکن دانہ پانی نصیب نہیں ہوا آخر پورے خاندان نے یہ طے کیا کہ اپنے آپ کو جلا کر ختم کر ڈالیں۔

بسوزیم خود را بہ جای سپند — ہمین است تدبیر رفع گزند
برافروختند آتش بی شمار — بہ طوفش رسیدند پروانہ وار[2]

بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ پہلے وہ جلے گا تاکہ اولاد کی موت نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ وہ آنکھ بند کر کے آگ میں کود پڑا۔ تھوڑی دیر تک اس نے یونہی آنکھ بند رکھی جب اسے جلنے کا احساس نہیں ہوا تو اس نے آنکھ کھولی۔ اب کیا دیکھتا ہے کہ وہی محل ہے اور وہی دربار ہے۔ تمام امرا حاضر ہیں۔ البتہ بازیگر غائب ہے۔ بادشاہ اس سارے واقعہ پر بیحد حیران ہوا۔ اسے اس کی تعبیر بتانے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ اب "بیوی بچوں" کی یاد اسے ستانے لگی اور تخت و تاج کھٹکنے لگے۔ آخر کار ایک روز وہ شکار کے لیے نکلا اور لشکر سے الگ ایک طرف جنگل میں چل دیا۔ آگے چل کر اس نے دیکھا وہی مہتروں کی بستی ہے۔ اور لوگوں کا عجیب حال ہے۔ سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ کئی سال ہوئے ایک شریف زادہ غریب الوطن ہمارے یہاں آیا تھا اور ہم نے اسے دامادی میں قبول کر لیا تھا۔ اس قحط میں وہ بھی اپنے اہل و عیال سمیت گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن پھر پلٹ کر نہیں آیا۔ صحرا نوردوں

---

[1] ایضاً ص ۵۵-۱۵۴۔ [2] ایضاً ص ۱۵۵

سے معلوم ہوا کہ وہ خاندان سمیت جل مرا. بادشاہ یہ سن کر بیحد حیران ہوا آخر اس نے پیغمبر عصر سے سارا ماجرا کہہ سنایا. تو انھوں نے فرمایا۔

کہ ای ماندہ از مرکز اصل دور — نداری خبر از طلسم ظہور
بہ رذبیت دل راز دا کردہ اند — بہ رمز خودت آشنا کردہ اند
دلت صورت و معنی عالم است — وگرنہ وجود و عدم مبہم است
دل آنجا کہ باشد غبار خیال — بود جملہ منقوش لوح مثال
مشو غافل از ساز نیرنگ دل — کہ علم و جہان نیست جز رنگ دل[1]

محیط اعظم کے آخر میں بیدل نے پان اور اس کے لوازمات پر بڑے خوبصورت شعر کہے ہیں بیدل سے پہلے بھی فارسی شعرا نے پان پر طبع آزمائی کی ہے لیکن کسی نے اس تفصیل سے خامہ فرسائی نہیں کی تھی. بیدل نے پان کی خوبیاں، بیڑہ کی شان، کتھا، چونا اور چھالیا کی خوبیاں بڑے شاعرانہ انداز میں پیش کی ہیں. اس سلسلہ میں بعض ہندی الفاظ خود بخود شعر میں آگئے ہیں. پان کے متعلق فرماتے ہیں :۔

بدہ از گلستان پانم سبق — چو تنبولی اکنون بگردان ورق
کہ در آخر بزم پان لازم است — پس از میکشی نقل آن لازم است
چہ پان انتخاب گلستان ہند — ہمہ نسخہ ناز سبزان ہند
زبانہا ز رنگینیش برگ گل — لب از الفتش نسخہ جام مل
زمینش شگون بساط طرب — بہ حکمش حنا بندی لعل لب[2]

کرولی پر یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے :۔

خروش مباہات کت شد بلند — برون جست از جای خویش این سپند

---

[1] ایضاً ص ۱۶۰ .
[2] ایضاً ص ۲۱۴

نفهمیده ناقص گیرم به چشم — زبس انتخابم حقیرم به چشم
اگر اهل فهم مختصر کرده اند — زبحر انتخاب گهر کرده اند
زمن رنگ پان طرح طوفان فگند — کز افیون شود نشهٔ می بلند[1]

اب چھالیہ اور چونہ کا مباہات دیکھیے۔ چھالیہ کہتی ہے:-

که بی من ندارد لب گلرخان — تبولی زکیفیت برگ پان
به آرایش محفل آگهی — زمن بهره مشکل که باشد تهی
سپاری کند تا وداع بیان — شرر کاری چونه شد پرفشان
زمن می شود حسن پان بی نقاب — بود صبح روشنگر آفتاب[2]

طلسم حیرت بیدل کی دوسری مثنوی طلسم حیرت ایک تمثیلی نظم ہے جس کا انداز عطار کی منطق الطیر سے ملتا جلتا ہے۔ یہ محیط اعظم کے دو سال بعد ۱۰۸۰/۷۰-۱۶۶۹ میں تصنیف ہوئی۔ کتاب کا عنوان اور تاریخ ان اشعار میں درج ہے:-

به ملک مخترع چون یافت اتمام — چو عالم شد طلسم حیرتش نام
گهی تاریخی عقل زبان یاب — پی تاریخ نظمش بود بیتاب
سر اندیشه ای تا دید در جیب — برون آورد "گنج" "از" "عالم غیب"[3]
۱۰۸۰ ۸ - ۷۳ - ۱۱۵۳

بیدل ایک خط میں شکر اللہ خاں کو لکھتے ہیں کہ وہ ان کی خدمت میں طلسم حیرت بھیج رہے ہیں۔ اور یہ کہ انھوں نے خان عالی شان کے بارے میں اگرچہ بہت کچھ سنا ہے لیکن ابھی تک

---

۱ ایضاً ص ۲۸-۲۲۷۔
۲ ایضاً ص ۳۲-۲۲۹
۳ طلسم حیرت، سالار جنگ نمبر ۹۲۹۔ ورق ۱۸۔ اشپرانگر (ص ۳۷۹) کا یہ بیان صحیح نہیں کہ طلسم حیرت ۱۱۲۵/۱۴-۱۳-۱۷ میں لکھی گئی۔

ان کی خدمت میں باریاب ہونے کا موقع نہیں ملا۔[1] ایک دوسرے خط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مثنوی کے دوران میں جو عنوانات ہیں وہ شکر اللہ خاں نے قائم کیے ہیں۔[2]

طلسم حیرت میں ایک تمثیلی حکایت بیان کی گئی ہے اور اس کے ذریعہ بیدل نے اپنے عقائد، افکار اور خیالات پیش کیے ہیں۔ یہ حکایت بیحد دلچسپ ہے کیونکہ اس کا پس منظر بالکل عام یعنی جسد انسانی ہے۔ حکایت اس انداز کی ہے کہ ملک تقدس میں ایک بادشاہ تھا۔

لب حیرت بیان نسخۂ راز — چنین گردید درس معنی آغاز
کہ در ملک تقدس بود شاہی — معلی مسندی، عزت کلاہی
تنزہ بادۂ پیمانۂ او — تلون نقش خلوت خانۂ او[3]

ایک دن وہ سیر کو نکلا اور ایک معمورۂ شوق میں پہونچا۔ یہ مملکت جسم تھی۔ یہاں چار حاکم تھے۔ بلغم، خون، صفرا اور سودا۔ لیکن یہ چاروں حاکم بے اختیار تھے۔ اصل حکومت ایک پری دخت کی تھی جس کا نام مزاج تھا:۔

پری دختی بہار آن چمن بود — شرر خوبی چراغ آن لگن بود
مزاجش نام و در معنی یگانہ — سراپا خویش و ارکانش بہانہ[4]

بادشاہ اس پری دخت پر فدا ہو گیا اور اس سے عروسی کر لی۔ ایک عرصہ تک وہ دونوں خوش و خرم زندگی گذارتے رہے اور ان کے وجود سے مملکت جسم باغ و بہار بنی رہی:۔

جدایی از میان برچید دامان — خس و خاشاک شد در شعلہ پنہان
من و تو بود ما تنہا ہم آہنگ — نہ یک پیرہن چون بادۂ و رنگ

---

[1] رقعات بیدل، نولکشور، ص ۳۔

[2] طلسم حیرت (مشمولہ کلیات بیدل، ج ۳، کابل) ص ۱ (حاشیہ)

[3] ایضاً ص ۲۰۔ [4] ایضاً ص ۲۳۔

بدن را مقدمش تشریف جان داد   زمین را اعتبار آسمان داد[1]

مملکت جسم میں تین قلعے تھے۔ پہلا قلعہ دماغ کا تھا جہاں دس نگہبان تھے، سامعہ باصرہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ، حس مشترک، خیال، متفکرہ، واہمہ اور حافظہ۔

دوسرا قلعہ جگر کا تھا جس کی حفاظت آٹھ استاد کر رہے تھے، غاذیہ، نامیہ، مولدہ، مصورہ، جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ اور دافعہ۔

تیسرا قلعہ دل کا تھا اور سب سے خوبصورت تھا:۔

بساطی دید در عین نزاہت   گلستان جلوۂ صد رنگ راحت

طراوت سایہ پرور در بہینش   بہشت خرمی گرد زمینش

دو عالم عیش فرش آن مکان یافت   ولی شش کس مقیم آستان یافت[2]

یہ چھ اشخاص تھے امید، محبت، فرح، خوف، عداوت اور غم۔ بادشاہ نے قلعۂ دل میں رہنے کا فیصلہ کیا تو مؤخر الذکر تینوں اشخاص نے اسے منع کیا مگر امید، محبت اور فرح نے اسے دعوت دی:۔

محبت گفتش ای شاہ دل آرا!   بہ دل جا کن، بہ دل جا کن، بہ دل جا[3]

چنانچہ بادشاہ نے خوف، عداوت اور غم کو قلعۂ دل سے نکال دیا اور امید، محبت اور فرح کو اپنا ندیم بنا کر وہاں سکونت اختیار کی۔ اب اس نے مملکت کے تمام سرداروں کو بلایا اور انھیں حسب مرتبہ خلعت عطا کی:۔

مہان مملکت را پیش خود خواند   چو ابر فیض طرف دامن افشاند

کرامت شد بہ خون تشریف گلگون   کہ از رشکش چمن زد غوطہ در خون

۱؎ ایضاً ص ۲۴۔   ۲؎ ایضاً ص ۲۹۔

۳؎ ایضاً ص ۳۴

قبای زعفری صفرا بہ بر کرد — زجیب نرگستان سر بدر کرد
لباس عنبرین شد وقف سودا — سراپا سرمۂ چشم تماشا
بہ بلغم خلعت برگ سمن داد — چو صبحش سر بہ سیر نسترن داد[1]

یہ سردار کچھ دن تو سکون سے رہے اس کے بعد آپس میں جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر اپنی فوقیت جتانے لگے۔ سودا نے صفرا سے کہا :-

عبث وا ماندہ ای در کشور تن — پر افشان زین غبار وہم دامن
ز بزم عافیت گرمی کشی جام — بیا در سایۂ من گیر آرام
سواد فکر لاہوت آشیانم — بود طبع روان تخت روانم[2]

صفرا نے پلٹ کر جواب دیا :-

بہ آن دردی کہ از پیمانہ ام ریخت — قضا آب و گل بنیادت انگیخت
ہمان بہتر کہ میری در غم خویش — چو شمع کشتہ داری ماتم خویش[3]

جب خون نے صفرا کا یہ فخریہ سنا تو اسے اس طرح ڈانٹا :-

کہ ای از نشۂ اوہام مغرور — ز خودکامی بہ حرف تلخ مسرور
علاج روی زرد خویشتن کن — دگر از ہر چہ می خواہی سخن کن
شبستان بدن را شمع طورم — چو برق آگہی یک شعلہ نورم[4]

بلغم یہ باتیں سن کر کب خاموش رہتا۔ اس نے بھی دون کی لی اور بولا :-

بہ میدان صفا صلح است جنگم — بہ رنگ خون عنابی نیست رنگم
گداز آلودہ جسمی ناتوانم — ملایم تر ز مغز است استخوانم[5]

---

۱ ایضاً ص ۴۴ ۔ ۲ ایضاً ص ۴۶ ۔
۳ ایضاً ص ۴۷ ۔ ۴ ایضاً ص ۴۸ ۔
۵ ایضاً ص ۴۹ ۔

بادشاہ کو جب ان جھگڑوں کا علم ہوا تو صلح صفائی کی کوشش کی مگر کسی نے اس کی باتوں پر کان نہیں دھرا۔ غم، خوف اور عداوت نے جب یہ افراتفری دیکھی تو حملہ کر کے قلعہ دل کو پھر فتح کر لیا۔ بادشاہ نے امید، محبت اور فرح سے مشورہ کیا۔ فرح نے کہا میں شہسوار حسن سے مدد طلب کرتی ہوں، محبت بولی میں عشق سے کمک کی درخواست کرتی ہوں اور امید نے کہا میں عقل کو طلب کرتی ہوں۔ مگر جب فرح حسن کے پاس گئی تو حسن نے استغنا جتایا۔ محبت بھی عشق کے دربار سے بے نیل مرام لوٹی۔ البتہ امید کی درخواست پر عقل مدد کو آئی اور ظالموں کو پسپا کر کے قلعہ دل خالی کرا دیا۔ لیکن فرار ہونے کے باوجود عداوت چین سے نہیں بیٹھی۔ اس نے ایک ظالم شخص مرض سے فریاد کی۔ مرض نے کہا میں مملکت جسم کو بھسم کر سکتا ہوں مگر مجھے آگ لگانے کے لیے تھوڑا سا خاشاک چاہیے۔ یہ خاشاک انھیں غذا کی صورت میں مل گیا جو دل کے محل میں خوان سالار تھی۔ غرضیکہ مرض غذا کے ذریعہ جسم میں پہونچ گیا اور فساد کا عمل شروع کیا پہلے سودا کا غلبہ ہوا پھر تپ چڑھا پھر استسقا اور یرقان ہوا اور ان سب کا نتیجہ ضعف اور اضطراب روح کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جب بادشاہ نے یہ صورت حال دیکھی تو اس نے صحت سے کہا:۔

صلاح کار جز ترک وطن نیست — در آتش خانہ غیر از سوختن نیست
بہ خود تا کی چنین محبوس بودن؟ — چراغ وہم را فانوس بودن[1]

صحت نے کہا "بادشاہ سلامت گھبرائیں نہیں، میرا ایک دوست ہے ہمت نام۔ اس کی مدد سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بادشاہ نے اس کی بات پر اعتماد کیا اور توکل کے ساتھ ہمت کی مدد حاصل کی۔ ادھر ملکہ مزاج نے سلطنت کا یہ انتشار دیکھا تو سرداروں کو للکارا اور انھیں آپس کے اختلافات پر سرزنش کی۔ اخلاط نے ملکہ کی بات پر دھیان دیا اور مل کر مرض کی

---

[1] ایضاً ص ۴۷۔

مدافعت شروع کی یہاں تک کہ مرض کو شکست ہوئی اور جسم پھر روبصحت ہوگیا۔

کدورت زان قلمرو یک قلم رفت   صفا چو رشید از آئینہ نم رفت[1]

اب فرح اور محبت دونوں واپس آئے۔ بادشاہ نے جنون عشق میں پوری مملکت جسم کی سیر شروع کی۔ اور ایک ایک منزل سے گذر کر ان مقامات کی سیر سے بادشاہ کی چشم بصیرت وا ہوئی اور وہ لامکاں کو واپس چلا گیا:۔

چو سلطان از حقیقت گشت آگاہ   بہ سیر خود نظر افگند ناگاہ

جہانی دید پاک از عرض صورت   بہاری فارغ از رنگ کدورت

دری بر ہستی کونین بستہ   غبار ما و من بیرون نشستہ

مقام اصلی خود دید و بشناخت   ہمہ جولان شد و از خود برون تاخت

تنزہ دامن از تشبیہ افشاند   غبار کثرت و وحدت برون ماند[2]

اس تمثیل کے بعد بیدل کہتے ہیں کہ عرفان حاصل کرنے کے لئے ہم کہاں کہاں بھٹکتے ہیں۔ اصل سیر تو مقامات بدن کی ہے۔ منزل مقصود کا پتہ یہیں سے ملتا ہے:۔

بکن سیری مقامات بدن را   ببین تبدیل حال خویشتن را

دگر ہر سو روی، وہم است، مشتاب   توئی مطلوب خود دریاب دریاب[3]

طلسم حیرت اسم با مسمٰی ہے۔ پوری مثنوی میں ایک طلسماتی اور حیرت انگیز فضا ہے۔ بیدل نے بلغم، صفرا، سودا، خون جیسی چیزوں میں جو شاعرانہ فنکاری دکھائی ہے اس نے ہر چیز کو انتہائی جاذب اور خوبصورت بنا دیا ہے۔ اس تمثیل سے بیدل نے سیاست، معاشرت اور عرفان کا جو سبق دیا ہے، وہ مثنوی کے جستہ جستہ اقتباسات سے ظاہر ہے۔ مثنوی تقریباً ساڑھے تین ہزار اشعار

---

[1] ایضاً ص ۸۷   [2] ایضاً ص ۱۳۴

[3] ایضاً

پر مشتمل ہے۔

طور معرفت بیدل کی تیسری مثنوی طور معرفت سب سے مختصر اور دلچسپ ہے۔ طور معرفت کا دوسرا نام گلگشت حقیقت بھی ہے۔ درحقیقت یہ مثنوی کے خاتمہ کا عنوان ہے جیساکہ بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے[1] ورنہ خود بیدل اس کا نام طور معرفت بتاتے ہیں:

به یمنش آخر این مکتوب منظوم ‌ ‌ ‌ به طور معرفت گردید موسوم[2]

طور معرفت کے سال تصنیف کا صراحتاً ذکر نہیں۔ بیدل کہتے ہیں کہ جب میں نے گوشہ گیری اختیار کی تو میرے ایک عزیز نے مجھے سیر کے لئے اکسایا۔ اتفاق سے انھیں دنوں شکر اللہ خاں کا لشکر بیراٹ[3] کی طرف کوچ کر رہا تھا میں بھی ساتھ ہولیا:-

درایامی که دل صبر آزما بود ‌ ‌ ‌ طبیعت نو نیاز انزوا بود
چو شمع کشته بودم الفت آغوش ‌ ‌ ‌ به آن ہستی که بود از دل فراموش
که ای عنصر متاع ملک ایجاد! ‌ ‌ ‌ طلسم آب و خاک و آتش و باد
دلت آئینه و عالم ندیدن ‌ ‌ ‌ نگاہت باده و غفلت کشیدن
به دریا گر نداری آشنایی ‌ ‌ ‌ کف خاکی ز ساحل کن گدایی
که کہسار است یکسر عالم رنگ ‌ ‌ ‌ ہجوم آباد آب و آتش و سنگ
تو خواہی سنگ شو خواہی شرر باش ‌ ‌ ‌ زبانی جلوه داری، جلوه گر باش
چه صحرا و چه دریا و چه کہسار ‌ ‌ ‌ ہمه مشتاق تست ای غافل از کار![4]

---

[1] رقعات بیدل ص ۶۸۔

[2] طور معرفت (مشمولہ کلیات بیدل، کابل ج ۳) ص ۴۹

[3] بیراٹ راجستھان میں جے پور کے قریب ایک پہاڑی اور جگہ کا نام ہے۔

[4] طور معرفت (مشمولہ کلیات بیدل ج ۳) ص ۱-۲۰۲۔

اس دوست نے کہا لیلیٰ مجنون کی داستان پارینہ ہو چکی۔ فرہاد اور بے ستون کی باتیں افسانہ ہو گئیں اب تو ہر سنگ بے ستون ہے اور ہر مقام زیارت کدۂ عشق و جمال، بدخشان اور نیشاپور دور سہی، پراٹ تو قریب ہے لیکن بیدل کے لئے سیر کو نکلنا کہاں ممکن تھا، البتہ شکر اللہ خاں کی فوج اسی طرف جا رہی تھی :۔

گل رایات شکر اللہ خانی — بہ فرق آن زمین کرد آسمانی
من بیدل بہ آہنگ دعایش — گرفتم طرف دامان لوایش
بہ پای شوق آنجا سر کشیدم — بہ این کیفیت آن ساغر کشیدم[1]

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا بیدل ۱۰۹۶/ ۸۵-۱۶۸۴ میں گوشہ گیر ہوئے۔ اور ۹۸-۱۰۹۷/ ۸۷-۱۶۸۵ میں شکر اللہ خان میوات میں بجی رام نزد کہ سے مصروف پیکار ہیں۔ اس لئے قیاس ہے کہ بیدل نے یہ مثنوی اسی کے لگ بھگ تصنیف کی۔

طور معرفت بظاہر ایک بیانیہ مثنوی ہے جس میں شاعر نے پراٹ کی پہاڑیاں، وہاں کی برسات، چمن، سبزہ، کان، پھول وغیرہ کا بیان کیا ہے۔ لیکن درحقیقت اس کی تہہ میں عرفان و بصیرت کی ایک لہر برابر دوڑ رہی ہے۔ اور اس طرح یہ نظم ورڈسورتھ کی نظم Tintern Abbey سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ شاعر کو بیجان چٹانوں، لہلہاتے پھولوں اور لہراتے ہوئے سبزے میں ایک روح جاری و ساری نظر آتی ہے۔ وہ بڑے غور سے ایک ایک چیز کو دیکھتا ہے اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھتا ہے۔ ایک طرف لشکر کی دوا دوش اور دوسری طرف بیدل کا یہ تحیر آمیز اور عبرت انگیز سفر واقعی دلچسپ بھی ہے اور دلگداز بھی۔

زنی اینجا اگر یک شیشہ بر سنگ — ز ساز ہر دو عالم جوشد آہنگ
اگر درس تأملہا روان است — دل شب صفحۂ خورشید خوان است

---

[1] ایضاً ص ۵

یقینم شد کہ در ہر قطرہ جانی است　　نہان در ہر کف خاکی جہانی است[1]

میرؔ نے کاسۂ سر پہ پاؤں رکھ کر جو بات سیکھی تھی، بیدل وہ سبق صرف ایک پتھر سے حاصل کرتے ہیں :-

شبی بر تیغ کوہی بود جایم　　زبیتابی بہ سنگی خورد پایم
توانائی بہ طاقت گشت مغرور　　کہ از راہش بہ جرأت افگنم دور
ندا آمد کہ ای محروم اسرار!　　خرابات نزاکتہا است کہسار
مباد اینجا زنی بر سنگ دستی　　کہ مینا در بغل خفتہ است مستی[2]

بیراٹ کی پہاڑیوں میں دراصل سونے چاندی کی کان تھی۔ اور اسی بنا پر ان کی بیحد اہمیت تھی۔ بیدل نے اس دور کی کان کنی کا بڑا تفصیلی نقشہ پیش کیا ہے۔ ہزاروں مزدوران کانوں میں کام کرتے تھے۔ ان کا حال ملاحظہ کیجیے :-

ہزاران چاہ و بر ہر چاہ خلقی　　نہ سامان ردائی و نہ دلقی
بہ عریانی سراپا قطرہ آب　　بہ آہنگ چکیدن اشک بیتاب
تردد پیشہ اطفال و زن و مرد　　ہمہ تنہا خاک مال و چہرہ ہا زرد[3]

کنویں جیسی گہری اور تاریک کانوں میں یہ مزدور اترتے تھے۔ ان کے سر پر ایک جلتی ہوئی مشعل ہوتی تھی۔

بہ چاہ از آرزوی جان کنی ہا　　روان چون دلو یکسر بی سر و پا
بہ فرق ہر یک افروزان چراغی　　سر سودائی و سامان داغی[4]

بڑی گہرائی تک کھودنے کے بعد کہیں سونے چاندی کی تہہ ہاتھ آتی تھی :-

---

[1] ایضاً ص ۱۸ - ۱۶　　[2] ایضاً ص ۲۴ - ۲۳۔

[3] ایضاً ص ۲۹۔　　[4] ایضاً

بہ پیش آید زمینی از مس ناب — کہ سیم و زر ز خاکش می خورد آب
از آنجا تا نشان گاؤ و ماہی — قدم ہا بر زر و سیم است راہی[1]

کان کنی کا پیشہ انتہائی خطرناک تھا۔ اکثر کان بیٹھ جاتی اور تمام کان کن اس میں دب کر مرجاتے۔ یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ کتنے مزدور نیچے کام کر رہے ہیں، ہر کوئی اپنا جوتا اوپر چھوڑ آتا تھا۔ اور اس سے زندہ مردہ کا حساب معلوم ہوتا تھا۔

بسی باشد کہ آن چاہ بلاکیش — چو اژدہا بہم آرد لب خویش
تردد پیشہ ہا معدوم گردند — بہ چندین سخت جانی موم گردند
ز نعلینی کہ ماند بر سر چاہ — برد اندیشہ بر اعداد شان راہ
دگر سنگی فرو آید ز کہسار — بپوشاند جہانی را شرر وار
ز ہر چاہی لب گوری مقرر — ز ہر سنگی اجل استادہ بر سر[2]

زر پرستی کی ہوس انسان کو کیا کیا کام کرنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ چند روزہ عیش کے لئے کیسے کیسے خطرات مول لیتا ہے بیدل یہ بات سوچ کر تڑپ اٹھتے ہیں۔ دولت پرستی کے خلاف ہر شاعر نے قلم اٹھایا ہے لیکن بیدل نے کانوں میں جان کنی کا انداز دیکھا تھا اور انھوں نے اس پر جو کچھ لکھا ہے وہ انتہائی پرسوز اور دلدوز ہے :-

کجایی ای ہوس مزدور دنیا؟ — بہ ذوق جان کنی مسرور دنیا
تراشیدی بہ دہم خویش جاہی — عروجی را بر آوردی ز چاہی
درین محفل کجا سیم و کجا زر؟ — مژہ واری بپوشان چشم و بنگر
جہان پست با آن افسر و جاہ — چو پاپوش است با پای تو ہمراہ
یکی جان کند و آن دیگر زراندوخت — گداز سعی این آن دیگر اندوخت

---

[1] ایضاً ص ۳۰۔ [2] ایضاً

که هستی ریسمان باف معاش است　　به چاه زندگی گرم تلاش است[۱]

بیدل نے یہ عجیب نکتہ پیدا کیا کہ چونکہ شیشۂ شراب اور زر و سیم دونوں سنگ سے حاصل ہوتے ہیں اس لئے شرابی کی طرح زردار بھی مست رہتا ہے :-

چرا منعم نباشد مستی آہنگ !　　که زر ہم صحبت میناست در سنگ

نگویی سیم و زر می جوشد از سنگ　　زمینا می دہد مستی به این رنگ[۲]

بیراٹ کی پہاڑیوں میں بیدل کو گرم پانی کا ایک چشمہ بھی ملا جو صحت بخش تھا۔ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

به خاصیت چراغی صحت افروز　　به گرمی آتشی اما مرض سوز

لب موجش مسیحی ساز کرده　　در دارالشفایی باز کرده[۳]

اس سفر میں بیدل کے ساتھ بہترین دوستوں کا اجتماع تھا جنھیں وہ ادب سنج اور وفا دوست کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن اصل سہارا نواب شکر اللہ خان کا تھا۔ جن کی مدح پر مثنوی ختم ہوتی ہے :-

عصای من درین گلگشت مقصود　　نسیم فیض شکر اللہ خان بود

وگرنه من کجا، کو پر فشانی　　سرشکی بودم آن ہم بی روانی

درین گلشن خرامی داشت کلکش　　که پیوستم من بیدل به سلکش

به یمنش آخر این مکتوب منظوم　　به "طور معرفت" گردیده موسوم[۴]

عرفان عرفان بیدل کی آخری اور سب سے طویل مثنوی ہے جو ان کے قول کے مطابق گیارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور ۱۱۲۴/ ۱۲–۱۷۱۲ میں تصنیف ہوئی :-

---

[۱] ایضاً ص ۳۲–۳۱ -　　[۲] ایضاً ص ۲۸

[۳] ایضاً ص ۳۵　　[۴] ایضاً ص ۴۹

شکر ایزد کہ نسخۂ عرفان | یافت اقبال از اختتام بیان
وضع ابیات این خیال نمود | جز خطی چند در خیال نبود
لیک ہرگاہ در شمار آمد | برزبان یازدہ ھزار آمد
کردہ تاریخ او نیاز ارقام | "ہدیہ ذوالجلال والاکرام"[۱]

(عرفان بیدل کی پوری زندگی کے خیالات، اذکار، تاثرات، کیفیات، جذبات اور احساسات کا نچوڑ ہے اور فارسی ادب میں مثنوی معنوی کے بعد علم و عرفان کا سب سے اہم خزانہ ہے۔ اور مثنویوں کے برخلاف عرفان کا انداز بیانیہ نہیں ہے۔ نہ اس میں حکایات اور تمثیلات کی بہتات ہے۔ شروع سے آخر تک بیدل نے اس میں ایک فکری انداز قائم رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں ان کی شاعری خشک، مبہم اور گنجلک معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بیدل نے جن اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور جس متین اور باوقار انداز میں شروع سے آخر تک بحث کی ہے وہ نہ صرف ان کی فنکارانہ استادی کی بین مثال ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اب شاعر جو کچھ کہتا ہے وہ اس کے دل و دماغ کے تمام مرحلوں سے گذر کر اس کے وجود کا جز و بن گیا ہے۔

عرفانیات، اخلاقیات اور عمرانیات کا شاید ہی کوئی ایسا اہم پہلو ہو جس سے عرفان کا وسیع دامن خالی ہے۔ بعض مسائل سے اس دور کی اخلاقی اور سماجی قدروں کا بڑی حد تک تعین کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ہندوستان کے مسلم معاشرہ میں پیشہ کی شرافت اور رذالت کی بڑی اہمیت رہی ہے شرفا کوئی ہاتھ کا کام نہیں کرتے اور دستکار یا صنعت کار شریف نہیں سمجھے جاتے۔ یہ احساس سماج کو گھن کی طرح کھاتا رہا۔ بیدل کو اس تضاد کا شدید احساس تھا۔ وہ کہتے ہیں جب پیغمبروں نے اپنے ہاتھ سے کام کئے تو ہمیں عار کیوں ہے؟

---

[۱] عرفان (مشمولہ کلیات بیدل، کابل، ج ۳) ص ۴۲۴۔ مرتب نے تاریخ کے نیچے ۱۱۲۲ کا سنہ دیا ہے۔ غالباً اس نے ذوالجلال والاکرام کے دونوں الف کو نہیں شامل کیا ہے

از شبانی چہ عار داشت کلیم؟ وز عمارت چہ ریخت ابراہیم؟
چند ازین پیشہ ہا تبرایت؟ ای ز دست تو تیشہ بر پایت![1]!

اور یہ چبھتی ہوئی حکایت پیش کرتے ہیں :-

خسروی دید قومی از جولاہ سوی دستور میل داد نگاہ
تا بداند چہ فرقہ اند اینہا؟ گفت 'استار عیب شاہ و گدا'[2]

بیدل کو ہندوستان سے جو محبت تھی، اس کے اشارے ان کے اشعار میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ عرفان میں بھی کئی ایک حکایت ہندوستانی ماخذ سے لی گئی ہے۔ اور بعض بعض حکایتوں میں انھوں نے ہندوستان کو پرجوش خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :-

ہند باغی است کز تصور او می رود آرزو بہ خلد فرو
آگہی را سواد او محک است شب نشین نگاہ مردمک است
از زمینش غبار اگر خیزد بر ہوا مشک سودہ می بیزد
بگذر از خواب مخمل کاشان سرمہ گیر از سواد ہندوستان
چیست ہندوستان؟ بہار حضور کاین زمان چشم تست ازو پرنور[3]

عرفان میں ہندوستانی عقائد سے متعلق کئی ایک کہانیاں ہیں خصوصاً تناسخ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے بیدل کہتے ہیں :-

عمرہا شد کہ علم ازین آیات دادہ بر ذہن شان رسوخ ثبات
من ہم از اختراع صورت حال عالمی دیدہ ام بہ خواب و خیال

---

[1] ایضاً ص ۱۳۷ [2] ایضاً ص ۱۴۰
[3] ایضاً ص ۱۴-۱۵

گر بہ تفصیل رد بہ عرض دارم   از جہانی زبان بہ قرض آرم[۱]

اس سلسلہ میں جنوبی ہندوستان کے ایک ہندو کی کہانی نقل کی ہے جس کا لڑکا بیدل کی صحبت سے مانوس تھا اور جس نے بیدل کو تناسخ کا ایک عجیب واقعہ سنایا جو اس کے باپ کو پیش آیا تھا[۲]. اسی سلسلہ میں ایک اور برہمن کی حکایت نقل کی ہے جو مر کر خاکروب کے گھر پیدا ہوا اور قسمت سے راجہ بن گیا. جب لوگوں کو اس کی ذات کا پتہ چلا تو انھوں نے سر پیٹ لیا.

برہمن ہا تبا مت آوردند   موکنان خاک رہ بہ سر کردند
در وبالی عظیم افتادیم   کہ بہ کناس راجگی دادیم[۳]

تناسخ پر بحث کرتے ہوئے. بیدل نے یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ عورت کے ستی ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ شوہر کی روح عدم میں بیتاب رہتی ہے. عورت ستی ہو کر اس سے جاملتی ہے اس سلسلہ میں صوبہ بہار کے ایک دولتمند کی سات سالہ لڑکی راجونتی کے خود بخود ستی ہونے کی دلدوز داستان نقل کی ہے[۴].

عرفان میں اور بھی ایسی کہانیاں ہیں جن کے شاہد بیدل خود ہیں. اس سے شاعر کے تعلقات اور اس کی سیاحی کا مزید علم ہوتا ہے. مثلاً بنگال میں واقع کالوطاق کے ایک مالدار کی کہانی ہے جو گردش وقت سے مفلس ہو گیا تھا. بابالیسر بندرگاہ کے ایک مفلس کی داستان ہے جسے غیب سے اچانک دولت مل گئی تھی[۵].

ان ہندوستانی کہانیوں میں سب سے دلچسپ کہانی کامدی اور مدن کی ہے اس کہانی کی تلخیص ذیل میں پیش کی جاتی ہے. یہ کہانی اس لئے اہم ہے کہ تقریباً یہی کہانی نام وغیرہ کے

---

[۱] ایضاً ص ۲۸۲ .   [۲] ایضاً ص ۲۸۲ .
[۳] ایضاً ص ۲۹۴ .   [۴] ایضاً ص ۲۸۷ .
[۵] ایضاً ص ۳۶۵، ۳۷۴ .

معمولی رد و بدل کے ساتھ اس دور کے ایک اور شاعر حقیری نے نظم کی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ کہانی کا خلاصہ یہ ہے :-

کامدی ہندوستان کے ایک راجہ کی رقاصہ تھی رقص میں اس کی مثال ملنی مشکل تھی مدن اس دور کا ایک فنکار مطرب تھا۔ اتفاق سے مدن اس راجہ کے دربار میں پہونچا اور اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ راجہ نے خوش ہو کر اپنے گلے کا ہار اتار کر مدن کو انعام دیدیا۔ اب کامدی نے اپنا رقص شروع کیا لیکن راجہ اور درباری مدن کے نغمہ سے اتنے محو ہو چکے تھے کہ وہ کامدی کے رقص سے کما حقہ لطف نہیں اٹھا سکے۔ البتہ مدن اس کے فن کو دیکھ کر اتنا بیخود ہوا کہ اس نے راجہ کا دیا ہوا ہار کامدی کے قدموں میں نچھاور کر دیا۔ بادشاہ نے اپنے انعام کی یہ توہین دیکھی تو اس نے مدن کو شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ مگر کامدی نے سپاہیوں کو رشوت دے کر رات بھر کے لئے مدن کو اپنے گھر میں چھپا کر رکھ لیا۔ اگلے روز مدن اپنی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ کامدی نے اس سے کہا شمال میں ایک درخت ہے۔ جو کوئی اس کے سایہ میں بیٹھتا ہے اس کی مراد بر آتی ہے۔ تم وہاں جاؤ میں ادھر دعا کرتی ہوں۔

مدن اس درخت تک پہونچ گیا۔ وہ دن رات کامدی کی رٹ لگاتا تھا یہاں تک کہ وہاں کی چڑیاں بھی یہی لفظ چہچہانے لگیں۔ اتفاق سے ایک بادشاہ شکار کھیلتے ہوئے وہاں پہونچا۔ اس نے ساری فضا میں کامدی کا لفظ گونجتے ہوئے سنا تحقیق کی تو مدن کا حال معلوم ہوا۔ بادشاہ نے قسم کھائی کہ وہ مدن کی مدد کرے گا اور اسے اس کے محبوب تک پہونچائے گا۔ چنانچہ اس نے کامدی کے شہر پر لشکر کشی کی اور اپنے حریف بادشاہ کو شکست دی۔ مگر اس سے قبل کہ وہ کامدی کو مدن کی آمد کا مژدہ دے اس نے ایک قاصد کے ذریعہ امتحاناً کامدی کو یہ کہلوایا کہ مدن مر چکا ہے۔ یہ جانگداز خبر سن کر کامدی کی روح فنا ہو گئی۔ ادھر مدن نے کامدی کی موت کی خبر سنی تو محبوبہ سے لپٹ کر جان دیدی۔

اب بادشاہ کو بہت افسوس ہوا۔ اس نے طے کیا کہ وہ بھی جان دیدیگا کیونکہ مدن اور کامدی

کا اصل قاتل وہی ہے۔ مگر طبیبوں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ یہ موت نہیں بلکہ سکتہ ہے۔ آخر کار علاج سے کامدی اور مدن دونوں جی اٹھے۔ اور اس طرح بچھڑے ہوئے عاشق و معشوق مل گئے۔

بیدل نے اس کہانی کا ماخذ نہیں بتایا ہے۔ ممکن ہے حقیری کی مثنوی کا انھیں علم ہو کیونکہ موخرالذکر مثنوی ۱۰۹۱/۱۶۸۰ میں تصنیف ہو چکی تھی۔ البتہ دونوں کہانیوں میں نام اور دوسرے جزوی اختلافات ہیں۔ حقیری نے رقاصہ کا نام کام کندلا اور مغنی کا نام مادھونل لکھا ہے۔ حقیری کی مثنوی میں رقاصہ کا اصل کمال یہ تھا کہ جب وہ ناچ رہی تھی تو ایک بھڑ اس کے سینہ پر آکر بیٹھ گئی مگر کام کندلا نے اسی اضطراب کے عالم میں رقص جاری رکھا۔ حقیری کے یہاں درخت کا کوئی ذکر نہیں نیز وہاں مغنی کی مدد اجین کا راجہ بکرم کرتا ہے اور وہ خود ہی قاصد بن کر رقاصہ کے پاس جاتا ہے۔ حقیری کی روایت میں عاشق و معشوق کو سکتہ نہیں ہوتا بلکہ دونوں واقعی مرجاتے ہیں اور خضر کے آب حیات سے دوبارہ زندہ ہوتے ہیں۔

(بیدل نے فارسی شاعری میں جو جگہ بنائی ہے وہ منفرد بھی ہے اور عظیم بھی۔ ہندوستان کے فارسی ادب کی عمارت جن چار عظیم ستونوں پر قائم ہے ان میں ایک بیدل ہیں۔ باقی تین امیر خسرو، غالب اور اقبال ہیں۔ یہ بھی عجیب خوش قسمتی ہے کہ بیدل کو افغانستان کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے اور بعض معتقدین ان کی قبر کابل میں بتاتے ہیں۔ وہاں بیدل شناسی فارسی تنقید کا ایک اہم پہلو ہے اور اس سلسلہ میں صلاح الدین سلجوقی اور حافظ نور محمد کہگوالی کے نام خاص طور پر اہم ہیں۔)

Gulam Nabi

رقعات بیدل

عہد اورنگزیب کے عظیم شاعر بیدل نے مکاتیب کا اچھا خاصا مجموعہ یادگار چھوڑا ہے۔ مطبوعہ مجموعہ[2] میں ۲۸۴ خطوط اور رقعات ہیں۔ ان خطوط سے بیدل کے کردار اور ذاتی حالات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ ان سے بیدل کے عزائم اور ناکامیاں، ان کی نیازمندی اور بے نیازی، ان کا فقر اور دنیا طلبی، امراء سے ان کے تعلقات اور قناعت پسندی ان کا تصوف اور درباداری بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے، ان خطوط کی روشنی میں بیدل کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ ان کے سوانح نگاروں کے بنائے ہوئے خاکے سے مختلف بھی ہے اور متضاد بھی۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ بیدل شہزادہ اعظم کی سرکار میں پہونچنے کی کتنی کوشش کرتے ہیں لیکن جب انھیں اپنا مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آتا تو وہ ایک حسین بہانہ کی آڑ لیکر استعفا دیدیتے ہیں۔ شہزادہ کے نام ان کا یہ خط قابل غور ہے :-

"دور از قدم سجدہ طرازان حضور بہ درد نارسائی می نالد و فریادرسی ندارد دمدتی است جدا از رکاب سعادت پیابان موکب اقبال درغبار گمنامی فرو رفتہ و از ہیچ جا سر بر

---

[1] ایضاً ص ۲۳، ۱۷

[2] رقعات بیدل، نولکشور، مارچ ۱۸۸۵ء۔

نمی آرد. نگون بخت سری کہ محروم خاکبوس آن درگاہ است، ہرگز حلاوت گریبان نشناختہ "۔[1]

اعظم اور معظم کی جنگ میں بیدل نے مؤخرالذکر کی حمایت کی۔ ایک خط میں وہ بیدار بخت اور اعظم پر نامناسب حملہ کرتے ہیں[2]۔ معظم کی تخت نشینی پر انھوں نے عاقل خاں کی معرفت یہ شعر نذر کیے:۔

"بہ عرض این دو بیت فقیر نیز دعاگوی بادشاہ دین پناہ است:۔

جلوس معدلت انوار بادشاہ زمان　　　بہ این مربع اسرار دادہ اند نشان
شیون رافت یزدان، جلال قدرت شان　　　ہمان خلیفۂ رحمٰن، معظم دو جہان[3]،

بیدل بظاہر صوفی اور عزلت نشین تھے۔ لیکن اس عہد کے بیشتر امرا سے ان کے قریبی تعلقات تھے چنانچہ ان پر کسی نے الزام لگایا کہ وہ امرا پرست ہیں۔ بیدل نے ایک خط میں جو تقریباً فحش ہے، اس شخص کو تنبیہ کی ہے کہ وہ ایسی حرکتوں سے باز آئے ورنہ "بیدل عبدالقادر است"[4]۔ جن امرا سے بیدل کی خط و کتابت تھی ان میں شکر اللہ خاں اور ان کے تینوں لڑکے قریب ترین تھے[5]۔ شکر اللہ خاں خود بیدل پر بہت مہربان تھے۔ انھوں نے ہی ان کے لئے مکان کا انتظام کیا تھا، بیدل ان کے احسان کے نیچے دبے تھے، اور وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں کسی نظم یا تہنیت کا ہدیہ بھیجتے رہتے تھے۔ خاندانی قربت اس حد تک تھی کہ خان مذکور اپنے خاندانی معاملات میں بھی بیدل سے مشورہ

---

[1] رقعات بیدل، ص ۱۸　　　[2] ایضاً ص ۱۲۶

[3] ایضاً ص ۱۱۹　　　[4] ایضاً ص ۹۰

[5] شکر اللہ خاں کے تین لڑکے تھے۔ لطف اللہ، عنایت اللہ اور کرم اللہ۔ اول کو والد کا خطاب یعنی شکر اللہ خاں ملا۔ دوسرا اورنگزیب کے خطوط کا مرتب ہے۔ تیسرے کو عاقل خاں خطاب ملا۔ وہ اچھا شاعر تھا اور عاشق تخلص کرتا تھا۔ (سرو آزاد ص ۱۴۹؛ سفینۂ خوشگو ص ۷۰)

کرتے تھے اور ان کی رائے پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں انھوں نے شکر اللہ خاں کی لڑکی کی شادی سے متعلق کچھ رائے دی ہے[1]۔ شکر اللہ خاں کے تینوں لڑکوں سے بھی اسی انداز کا رابطہ تھا۔ بیدل انھیں برابر خط لکھتے رہتے تھے۔ ایک خط میں وہ تینوں سے اپنے مساویانہ تعلق خاطر کا اظہار اس طرح کرتے ہیں :-

"اگرچہ از محمد یانیم، پرستش ثالث ثلاثہ ایمانی است، و ہر چند از وحدتیانیم شہود مراتب اسماء عرفانی"[2]

دیگر امرا میں عاقل خاں رازی، روح اللہ خاں، فضائل خاں، مرزا منعم بیگ، سید برادران اور نظام الملک کے نام نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ کسی شاعر یا ادیب کی امداد کے لیے بھی ان امرا کو خط لکھتے تھے، چنانچہ ایک خط میں وہ میر عاشق ہمت اور دوسرے میں میر احسن ایجاد کی سفارش کرتے ہیں[3]۔

بیدل کے مکتوب الیہم میں مشہور ہمعصر شعرا اور ادیبوں کے نام نہیں نظر آتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ناصر علی اور مرخوش وغیرہ سے ان کی معاصرانہ چشمک تھی، شیخ عبدالعزیز عزت، ایزد بخش رسا اور رفیع خاں باذل کے نام البتہ چند خطوط ہیں۔

بیدل کے مکاتیب مرصع نثر نگاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان کی مشکل پسند طبیعت خط و کتابت میں بھی تکلفات اور آرائش کے پردے ہٹانا گوارا نہیں کرتی تھی۔ بعض رقعات محض نمونہ کے لیے کسی صنعت میں لکھے گئے ہیں۔ لیکن جہاں کہیں کسی واقعہ یا حادثہ پر خط لکھا گیا ہے، وہاں الفاظ پر جذبات غالب ہیں مثلاً تعزیت کے خطوط میں عجیب سوز و گداز اور تاثر ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے :-

"در ہر چہ ماموریم، معذوریم و در آنچہ می کوشیم، مجبوریم۔ تا نفس باقی است نمی دانیم چہا خواہد کشید و تا دیدہ باز است، حیرانیم کہ چہ باید دید؟ تسلیم اضطراری است و

---

[1] رقعات بیدل ص ۲۷ [2] ایضاً ص ۸۰

[3] ایضاً ص ۶۱، ۱۳۱۔

رضا بی اختیاری[1]:

نکات بیدل مکاتیب کے علاوہ بیدل کی دو اور نثری تصانیف ہیں یعنی نکات بیدل اور چہار عنصر۔ اول الذکر مختصر رسالہ ہے اور ایک طرح سے بیدل کے فکر و فلسفہ کا نچوڑ ہے۔ ہر نکتہ کے بعد تشریح و تمثیل کے طور پر دو غزلیں اور ایک قطعہ درج ہے۔ کہیں کہیں ایک رباعی بھی ہے۔ اس طرح اس رسالہ میں منثور حصہ صرف ایک چوتھائی کے برابر ہے۔

نکات کی تاریخ تصنیف سے متعلق کتاب میں کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔ البتہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں اس کے ایک مخطوطہ کا سال کتابت ۱۰۹۱/ ۸۱-۱۶۸۰ ہے[2]۔ جس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ نکات اس سال یا اس سے قبل تصنیف ہو چکی تھی۔ اس تاریخ کی تعیین سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکات میں مندرج غزلیں اس وقت تک لکھی جا چکی تھیں۔

نکات بیدل اسم با مسمی ہے۔ یعنی ہر نکتہ بنیادی طور پر مختصر مبہم اور پیچیدہ ہے۔ ان میں دقیق فلسفہ اور ماوراء الطبیعیات سے لے کر عام پند و نصائح کا ذکر ہے۔ لیکن بیدل کی قوت اختراع ہر جگہ کارفرما ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نثر سے زیادہ نکات کی غزلیں زیادہ رسیلی اور پر آہنگ ہیں اور بیدل نے مخصوص اوزان سے اشعار کا ترنم اور ابھارا ہے۔ مثلاً یہ دو شعر دیکھئے:-

به هر کجا ناز سر بر آرد، نیاز هم پای کم ندارد | تو و خرامی و صد تغافل، من و نگاهی و صد تمنا

تمام شوقیم لیک غافل که دل به راه که می خرامد؟ | جگر به داغ که می نشیند؟ نفس به آه که می خرامد؟[3]

چہار عنصر بیدل کی دوسری تصنیف چہار عنصر ایک طرح سے ان کی خود نوشت سوانح عمری ہے۔ کتاب کے آخر میں جو قطعہ تاریخ ہے اس سے بانکی پور کے فہرست نگار نے ۱۱۱۶/ ۱۷۰۵-۱۷۰۴ کا سن استخراج کیا ہے[4]۔ قطعہ یہ ہے:-

---

[1] ایضاً ص ۸۷

[2] آصفیہ ۱/ ۱۳۶

[3] نکات بیدل (مشمولہ کلیات بیدل، نولکشور، دسمبر ۱۸۷۵، ص ۲۰)

[4] بانکی پور ۹/ ۱۰۱ -

دو تاریخ از حساب آورد بیروں | کہ دخل شبہہ خون گشت و خطا رفت
نخست افسونی از اعجاز پرداخت | کہ از افراد ہر عنصر فنا رفت
دوم در اجتماع چار عنصر | نخوست بود چون زنگ از صفا رفت[1]

لیکن بیدل ایک جگہ کہتے ہیں:۔

"از آن ہنگام تا حال کہ نفس شماری عمر مقارن سال چہل و یکم است"[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بیدل اکتالیسویں سال میں تھے۔ یعنی چہار عنصر کی تصنیف ۱۰۹۴/۱۶۸۳ کے لگ بھگ ہوئی۔ ممکن ہے کہ یہ آغاز تصنیف کا سال ہو اور اول الذکر تکمیل کا۔

چہار عنصر، چار عنصر (ابواب) پر منقسم ہے۔ شروع میں ایک مختصر مقدمہ ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ یہ ایک طرح سے بیدل کی خود نوشت سوانح عمری ہے مگر انھوں نے اس میں تاریخی ترتیب یا واقعاتی تسلسل کا بہت خیال نہیں رکھا ہے۔ انھوں نے حقائق کے بیچ میں مافوق فطری قصوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کی اس طرح پیوند کاری ہے کہ کتاب کی تاریخی اہمیت پس منظر میں جا پڑی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بیدل اپنی زندگی کے سیدھے سادھے واقعات بیان کرنے کے بجائے اس بات کے کوشاں تھے کہ اپنے آپ کو ایک مافوق فطری انسان بنا کر پیش کریں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی طرف منسوب کر کے جو واقعات قلم بند کیے ہیں وہ جادو کی دنیا کے قصے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن وہ اس گلی سے گذر رہے تھے جہاں ان کی ملازمہ رہتی تھی۔ اتفاقاً انھیں اس کے گھر سے رونے دھونے کی آواز سنائی دی۔ بیدل اندر گئے تو معلوم ہوا کہ ملازمہ کا انتقال ہو گیا ہے اس خبر سے انھیں اتنا صدمہ ہوا کہ انھوں نے جنون کے عالم میں مرحومہ کے سینہ پر دو ہتڑ مارا۔ بیدل کا ہاتھ

---

[1] چہار عنصر (مشمولہ کلیات بیدل، نولکشور، ص ۵۸۸)

[2] کلیات بیدل، ص ۳۰۱۔

پڑتے ہی 'مرحومہ' کود کر آنگن میں جا کھڑی ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ۳۵ سال ہو گئے اور آج تک وہ 'مرحومہ' صحیح سلامت بقید حیات ہے[1]

بیدل کے بارے میں جو متضاد بیانات ہیں ان کا تجزیہ کرنے میں چہار عنصر سے بہت مدد ملتی ہے۔ نیز اس سے بیدل کے بارے میں بہت سی ایسی معلومات فراہم ہوتی ہیں جن کو ان کے تذکرہ نگاروں نے سرے سے نظر انداز کر دیا ہے۔ مثلاً ان کا خاندان، ان کے ابتدائی حالات، ان کی سیاحی اور صوفیوں سے ملاقات وغیرہ۔ یہ عین ممکن ہے کہ بیدل نے بہت سی باتوں پر پردہ پوشی کی ہو۔

چہار عنصر کا طرز انتہائی مرصع اور پر تکلف ہے۔ فلسفہ اور ماورائیات کی آمیزش نے بعض مقامات کو بالکل گنجلک اور ناقابل فہم بنا دیا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ چہار عنصر میں جو تاریخی اور ذاتی معلومات ہیں وہ بیدل کے بیشتر سوانح نگاروں کی نظر سے مخفی رہے۔ چہار عنصر میں جگہ جگہ اشعار کی پیوندکاری ہے اور پوری کتاب میں تقریباً اٹھارہ ہزار شعر ہیں[2]۔ جو سب کے سب بیدل کے ہیں۔

ہندوستان کی فارسی نثر میں چہار عنصر کا اپنا منفرد مقام ہے۔ لوگوں نے یقیناً اس کے تتبع کی کوشش کی ہوگی مگر ایسے پر پیچ جادہ کا طے کرنا کتنوں کے بس کی بات تھی۔ اتفاق سے بیدل ہی کے ایک شاگرد لالہ شیورام داس حیا (م۔ ۱۱۴۴/۳۲-۱۷۳۱) نے چہار عنصر کے طرز پر گلگشت بہار ارم لکھی تھی[3]۔ مگر اس کا پتہ نہیں چلتا۔